سیرتِ بایزیدؒ

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ

کے افکار و سوانح

پروفیسر عطاءاللہ فضل احمد عارف

سیرت بایزید رح

سیرتِ بایزیدؒ

سُلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ
کے افکار و سوانح

○

پروفیسر علاّمہ فضل احمد عارفؔ ایم۔ اے

سنگِ میل پبلی کیشنز

چوک اُردو بازار۔ لاہور ۲
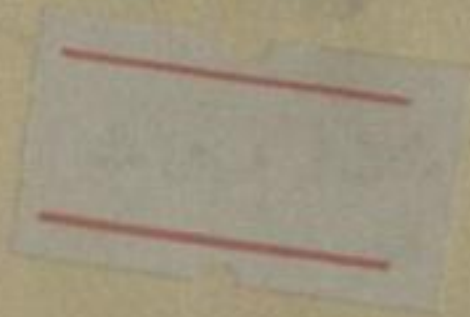
طابع : نیاز احمد

ناشر : سنگِ میل پبلیکیشنز

قیمت :

مطبع : منظور پرنٹنگ پریس لاہور

انتساب

عمّ محترم

جناب الحاج میاں غلام عیسےٰ ڈھڈی مرحوم

کے نام

جن کی شفقت اور محبت ہمیشہ یاد رہے گی
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں
جگہ دے اور جنت الفردوس عطا فرمائے آمین۔

ع رفتید ولے نہ از دلِ ما

○

فہرستِ مندرجات

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں؟
تمنا دردِ دل کی ہو، تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں

اقبالؒ
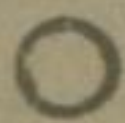
○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ مؤلف

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

اس دنیائے آب و گل میں کچھ ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں جو تخت و تاج کے مالک تو نہ تھے مگر بڑے بڑے مغرور بادشاہ ان کی بارگاہوں میں جھکتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے ملک تو فتح نہیں کیے مگر دلوں کی اقلیمیں ضرور ان کے لئے مسخر تھیں۔ ان کے ہاں لاؤ لشکر اور جاہ و جلال تو نہیں تھا مگر وہ کسی جابر سے جابر شخص کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ تن بدن پر سوائے گھستہ دلق اور پھٹی پرانی گودڑی کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا مگر استغنا کا یہ عالم تھا کہ دنیا جہان کے خزانوں کو نگاہِ حقارت سے ٹھکرا دیا کرتے تھے۔ کسبِ حلال سے کچھ مل جاتا تو تھوڑا سا گزارہ کر باقی خدا کی راہ میں بانٹ دیتے اور نہ ملتا تو صبر و شکر کر کے سو رہتے۔ ان کے ہاں دولت تھی تو طمانیتِ قلب کی کہ جس کی ساری دنیا متلاشی ہے اور بادشاہوں کے بھرپور خزانے بھی اس سے خالی ہیں۔ اس دولت کو وہ بغیر احسان جتلائے بانٹتے رہتے تھے، جو بھی طالبِ صادق بن کر آجاتا، اپنا حصہ ضرور پاتا۔ دنیا میں بادشاہ آئے اور چلے گئے یہاں تک کہ اب انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ ادھر یہ خرقہ پوش ہیں کہ انہیں دنیا سے رخصت ہوتے مدتیں گزر گئیں مگر ان کی یاد سب کے دلوں میں

ابھی باقی ہے۔ صدق و وفا کے جو چراغ انہوں نے روشن کیے زمانے کی تیز و تند آندھیاں انہیں کبھی بجھا نہیں سکیں۔ لوگ انہیں یاد کرتے اور عقیدت کے پھول پیش کرتے چلے آئے ہیں اور قیام قیامت تک کرتے چلے جائیں گے۔ وہ بزرگ جہاں جہاں بھی حیات سرمدی کی چادر تانے آسودۂ خواب ہیں، وہ مقام عقیدتوں کے مرکز اور عوام و خواص کے مرجع بنے ہوئے ہیں۔

کم و بیش بارہ سو سال ہوئے کہ بسطام کے شہر سے ایسا ہی ایک اہل دل خرقہ پوش اٹھا کہ جسے دنیا سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ کے نام نامی سے یاد کرتی ہے۔ وہ بزرگ جن کی بات بات میں علم و عرفاں کی حلاوت تھی، جن کی حرکت حرکت میں تعبّد کی شان جلوہ گر تھی اور جن کے عمل عمل میں عزیمت اور حُسنِ کاری کا بانکپن تھا۔ انہوں نے مجاہدے کیے تو ایسے کہ لوگ صرف سننے کی بھی تاب نہیں لا سکتے۔ عبادت کی تو ایسی کہ خود عبادت ناز کرتی ہے۔ پاکباز ایسے تھے کہ ان کی پاکبازی کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ طبیعت میں سوز و گداز اور دردمندی اس قدر تھی کہ آپ کے گریۂ نیم شبی اور آہ صبح گاہی ضرب المثل بن گئے۔ دل ایسا حساس پایا تھا کہ کسی کو دکھ میں دیکھتے تو تڑپ اٹھتے اور خلق خدا سے ہمدردی اور غمگساری ان کا شیوہ تھا۔ بادۂ الست کے اس سرمست کی پاکیزہ زندگی تعلق باللہ کا ایک جیتا جاگتا تصور پیش کرتی ہے اور واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ (اور اپنے پالنے والے کے نام کا ذکر کر اور ہر طرف سے کٹ کر اسی کا ہو جا) کی عملی تفسیر ہے۔ یہ زندگی زبانِ حال سے ہمیں ماسوی اللہ سے توڑ کر اسی ایک ذات سے رشتہ جوڑ لینے کا سبق دیتی ہے۔ ان کا ہر کام اور ہر عمل عبادت ہی تھا کیونکہ آپ للّہیت کی اس منزل پر پہنچ چکے تھے کہ جہاں انسان کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا اور جینا مرنا محض

معبودِ حقیقی کے لیے ہو جاتا ہے۔ وہ کھاتے تھے تو ذکر و عبادت کے لیے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی ہی ان کا رزق تھا۔ وہ پہنتے تھے تو ستر پوشی کے لیے کیونکہ اس کے بغیر عبادت ممکن نہیں۔ لباس بلا شبہ زینت ہے بشرطیکہ نماز کے لیے زینت کا باعث بن رہا ہو۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ کرامات ولی تھے۔ اور ان کی بہت سی کرامات بیان کی جاتی ہیں لیکن جو کرامت سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ آپ کا صاحبِ کرامت بننے کی بجائے کریم بننے کا عزمِ بلند اور سرکش بت پرستوں کو مسلمان اور حیوانوں کو انسان بنانے کا کارنامہ ہے۔ حریمِ کبریا کے رازداں نے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے علم و عرفان کے جو انمول موتی بکھیرے ہیں وہ راہِ طریقت کے لیے زادِ راہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

کاش ہم ان کی قدر و قیمت کو سمجھ سکتے اور ان سے فائدہ اُٹھاتے!

مختصر یہ کہ آپ کی حیاتِ طیبہ ایمان و ایقان، علم و عرفان، مجاہدات و مراقبات، واردات و مشاہدات، عشق و مستی اور خلوص و وفا کا ایسا حسین و جمیل مرقع ہے کہ دل بے اختیار ان سے محبت کرنے لگتے ہیں، احترام و عقیدت کے جذبات اُبھر آتے ہیں اور اُن کی عظمت کے نقوش گہرے سے گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

غالباً اسی محبت و عقیدت کا اثر تھا کہ جب راقم الحروف ایک اور کتاب کی تالیف اور مواد جمع کرنے میں مشغول تھا اور بعض تذکروں میں حضرت بایزیدؒ کے پیارے پیارے حالات نگاہوں سے گزرے تو فوراً پہلا کام چھوڑ چھاڑ کر ان کی سیرت و سوانح قلمبند کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کام سے لگن کی یہ حالت تھی کہ بیماری اور طبیعت کی ناسازی کے دوران میں بھی غافل نہیں رہا۔ راحت و آرام کچھ عرصے کے لیے طاقِ نسیان پر رکھ دیے گئے اور

جب تک کتاب مکمل نہیں ہو گئی، اطمینان کا سانس نہیں لیا۔ توفیق الٰہی شامل ہوئی اور الحمد للہ یہ کتاب چھ سات ماہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ راقم الحروف نے پیش نظر کتاب میں حضرت بایزیدؒ کی سیرت کے خد و خال کو اجاگر کرنے اور ان کی پاکیزہ تعلیمات کو جدید اسلوب اور آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بندگانِ خدا اس کے مطالعے سے تصوّف سے آگاہ، روحانیت سے لذّت آشنا اور اپنی زندگیوں کو سنوار کر باخدا بن سکیں۔ بلاشبہ ان کی زندگی کے حالات پڑھنے سے آج بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت، اتباعِ سنّت کا جذبہ، عشق کی سرمستی اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

افسوس دورِ حاضر کے ہم مسلمان عقل کے غلام اور مادیّت کے پرستار بنتے جا رہے ہیں اور روحانی اقدار اور سوزِ عشق سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، حالانکہ عشق ہی مسلمان کی زندگی کے لیے حرارت، توانائی اور حلاوت کا درجہ رکھتا ہے۔ آج شاعر کی زبان، ان الفاظ میں ہم پر مرثیہ خواں ہے۔

ؔ بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، خاک کا ڈھیر ہے

خدا کرے ہم قافلہ سالارِ عشق —— بایزیدؒ کی زندگی سے سبق لیں اور اپنی کھوئی ہوئی دولت کو دوبارہ حاصل کر سکیں۔!

آخر میں بارگاہ رب العزّت میں یہ بھی دعا ہے کہ وہ ہمیں بزرگانِ دین کی سچی محبت اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کبیر والا (ضلع ملتان)
۶-۱ اگست ۱۹۶۵ء

خاکپائے ابرار
فضل احمد عارف

پیش لفظ

از عالی جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ ڈی ۔ لٹ ، صدر شعبہ ادبیات اُردو ، سندھ یونیورسٹی ، حیدر آباد ۔

دنیائے اسلام میں تصوّف کی خالص اسلامی تحریک جن عناصر و عوامل سے متاثر ہوتی رہی، ان کے تفصیلی جائزے کا تو یہ محل نہیں لیکن اتنی بات کہے بغیر چارہ بھی نہیں کہ بعض ہندی، عجمی اور یونانی تحریکات جو اسلامی تصوّف سے چند امور میں مماثل تھیں، مختلف طریقوں سے تصوّفِ اسلام پر اثر انداز ہوئیں جس کا ایک بدیہی نتیجہ یہ نکلا کہ سطحی ذہن رکھنے والے اور ظاہری مماثلتوں سے روحانی تحریکات کے درمیان محاکمہ کرنے والے نیم خواندہ نقادوں نے تصوّف کو کبھی عجمی روایت کا ایک بدلہ ہوا روپ قرار دیا۔ کبھی اسلام کے خلاف اسے آریائی ذہن کی بغاوت شمار کیا اور کبھی اس کا سلسلۂ فکر یونانی مفکرین سے ملانا چاہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوّف غیر اسلامی تصوّف سے نہ صرف یہ کہ اکثر امور میں مختلف ہے بلکہ اپنی روح کے اعتبار سے متضاد افکار و نظریات کا حامل ہے۔ غیر اسلامی تصوّف رہبانیت کا پرچار کرتا ہے اور تصوّفِ اسلام چونکہ اسلامی افکار و عقائد سے الگ کسی چیز کا نام ہی نہیں، اس لیے وہ لا رهبانية فی الاسلام کا قائل ہے۔ اسلامی تصوّف کی منزلِ مقصود نہ محل تناسخ سے نجات ہے، نہ ارادۂ زیست کی سرکوبی اور نہ حصول مرگ۔

بلکہ اصلاح اخلاق، تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن، جلائے قلب، تعمیر شخصیت، باطل کی قوتوں کے خلاف جہاد اور اصولِ خیر کے مطابق تشکیل کردار وہ مقاصد ہیں، جو اسلامی تصوّف میں عمل کی روح پھونکتے ہیں۔ اس لیے — ظاہر و باطن کو روحِ اسلام سے ہم آہنگ کرنا — تصوّفِ اسلام کی بہترین تعریف ہے۔

تصوّفِ اسلام پر غیر اسلامی افکار کے اثر سے یہ عقیدہ عام ہو گیا ہے کہ شریعت اور طریقت یا بالفاظ دیگر شریعت اور تصوّف دو متضاد چیزیں ہیں اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ تصوّف ایک الگ مذہب ہے جو سماع مزامیر کو جائز قرار دیتا ہے، جس کے عقائد میں حلول و سریان اور تناسخ بھی شامل ہیں جس میں تکالیف شرعیہ اور حرام و حلال کے قوانین مرتفع ہو جاتے ہیں اور خلاف شرع گفتگو کے لیے جواز مل جاتا ہے ممکن ہے کہ بعض غیر محقق صوفیہ یہی عقائد رکھتے ہوں لیکن عجمی اثرات کے نفوذ و سریان سے قبل یہ حالت نہ تھی۔ صوفیائے متقدمین، احکامِ الٰہی اور سنّت نبوی کے مطابق تزکیۂ نفس اور تشکیل کردار پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ نہ وہ غیر اسلامی افکار کو گوارا کرتے تھے اور نہ غیر اسلامی طریق انہیں پسند تھا چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ کہتے ہیں:۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بقدم پیروی کے سوا تمام راہیں مخلوق پر بند کر دی گئی ہیں"۔

فتوحات میں شیخ محی الدین ابن العربیؒ کا قول ہے کہ "جو امر خلاف شریعت ہو وہ زندقہ ہے"۔ اور فتوحات ہی میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں بجز اس طریقہ کے جس کو شروع فرمایا ہے"۔

چنانچہ ابن العربی نے صراحتاً کہا کہ کشف صحیح خلاف شریعت ہو ہی نہیں

سکتا۔ نص پر کشف کی تقدیم ایک باطل عقیدہ ہے۔ کشف خلاف شریعت ہو تو وہ خالی از اشتباہ نہیں اس لئے ناقابلِ اعتماد ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان مشاہیر اُمت میں ہوتا ہے جنہوں نے تصوّفِ اسلام کو خالص اسلامی اعمال اور افکار و عقائد کا باطنی پہلو بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے احکامِ شریعت اور اتباعِ سنّت کو اپنی منزل تک پہنچنے کا واحد راستہ قرار دیا۔ اور اپنی تمام عمر پورے انہماک اور استغراق کے ساتھ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کر دی۔ یہ بات بجائے خود اتنا بڑا کمال اور اتنی بڑی کرامت ہے کہ ان کی شخصیّت صوفیا کے لیے ایک منارۂ نور بن جاتی ہے۔ انہی سے منقول ہے کہ

"اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس سے کثرت سے خرقِ عادت صادر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے۔ تب بھی دھوکا مت کھانا جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی و حفظِ حدود اور ادائے شریعت میں اس کو کس کیفیت پر پاتے ہو۔"

گمرہی کے اس دور میں جبکہ جھوٹے پیروں اور عیّار فقیروں نے تصوّف کو اسلام کا حریف بنا دیا ہے۔ کسی ایسے شخص کی روحانی زندگی کا تذکرہ جو تصوّف اسلام کی حقیقت سے نہ صرف آشنا ہو بلکہ اس کا پُرجوش داعی ہو، ایک بہت بڑی ضرورت ہے۔ جناب پروفیسر فضل احمد عارف ایم اے کی یہ کوشش لائق تحسین ہے کہ انہوںؔ نے اس عصری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حضرت بایزید بسطامیؒ پر ایک جامع تذکرہ تصنیف فرمایا ہے۔ قارئین اس کتاب کو عالمانہ، دلچسپ، مستند اور سبق آموز پائیں گے۔ فاضل مصنّف میونسپل ڈگری کالج اوکاڑہ میں عربی اور علومِ اسلامیہ کے پروفیسر ہیں اور منصبی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ

تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ تصوّف ان کا محبوب موضوع ہے۔ وہ ایک محقق کا قلم، ایک عالم دین کی بصیرت اور ایک مورّخ کی نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تحریر انہی خصوصیات سے عبارت ہے۔

○

باب اوّل

؎
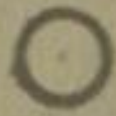
عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا زِ بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حالاتِ زندگی

نام ـــــ طَیفور

کنیت ـــــ ابو یزید (یا) بایزید

نسبت ـــــ بِسطامی (ب کی زیر یا زبر کے ساتھ)[1]

لقب ـــــ سلطان العارفین

نسب ـــــ طیفور بن عیسیٰ (بن آدم) بن سُروشان

ولادت ـــــ در حدود ۱۸۸ ہجری

وصال ـــــ ۱۵ ماہ شعبان ۲۶۱ ہجری

۱- ابتدائی و خاندانی حالات

حضرت بایزیدؒ ملک ایران کے صوبہ قومِس کے شہر بَسطام کے محلہ موبدان میں زہد و تقویٰ میں مشہور ایک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض ۱۳۶ھ بتاتے ہیں اور بعض نے ۱۳۱ھ تحریر کیا ہے جبکہ کتاب کارنامہ بزرگانِ ایران میں در حدود ۱۸۸ ہجری تحریر ہے اور سالِ وفات کہ جس میں اختلاف کی گنجائش بہت کم ہے، کو سامنے رکھتے ہوئے سن ولادت ۱۸۸ ہجری ہی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک قول کے مطابق آپؒ نے ۷۳ سال کی عمر پائی تھی۔ آپ کے والد شیخ عیسیٰؒ بڑے زاہد اور نیک نفس بزرگ

---

[1] علامہ یاقوت حموی کی معجم البلدان اور انگریزی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بسطام کو بکسر الباء (ب کی زیر کے ساتھ) لکھا گیا ہے اور مستشرق نکلسن بھی اپنے مقالے میں اسی طرح لکھتے ہیں جبکہ مشہور ماہر نسب اسمعانی اور علامہ ابن خلکانؒ نے اسے بفتح الباء (ب کی زبر کے ساتھ) لکھا ہے۔ زیادہ صحیح اوّل الذکر ہے۔

تھے۔ افسوس اُن کی عمر نے وفا نہ کی اور انہوں نے آپ کی ولادت کے چند ماہ بعد ہی دارِ فانی سے رخصت سفر باندھ لیا اور اس طرح آپ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ اگرچہ آپ نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ یتیم بچہ آگے چل کر روحانیت اور شہرت کی انتہائی بلندیوں کو چھو لے گا اور بالآخر سلطان العارفین کہلائے گا۔

ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

پاکباز ماں نے طیفور نام رکھا لیکن یہ شاہبازِ طریقت مشہور اپنی کنیت اور نسبت —— بایزید بسطامی سے ہی ہُوا۔

آپ کے دادا[۱] سروشان آتش پرست تھے جو بعدازاں نار کو چھوڑ کر نور کی طرف آ گئے تھے اور زنّار توڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور بقیہ عمر انہوں نے تلافی مافات، پرہیزگاری اور درویشی میں گزار دی تھی۔ گمان غالب یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد ان کا نام علی یا آدم رکھا گیا تھا۔ حضرت بایزیدؒ کے دو بھائی اور تھے اور وہ دونوں بڑے تھے اور آپ عمر میں سب سے چھوٹے تھے لیکن روحانی مرتبے میں سب سے بڑھ گئے۔

ع یہ مرتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا

چنانچہ علامہ ابن خلکان بتاتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کے دو بھائی آدم اور علی تھے اور وہ دونوں عابد اور زاہد تھے مگر بایزید ان دونوں سے زہد و عبادت میں سبقت

---

[۱] یہ بات تو یقینی ہے کہ اسلام لانے والے کا نام سروشان تھا، لیکن وہ حضرت بایزید کے دادا تھے یا پردادا، اس میں اختلاف ہے۔ اکثر دادا قرار دیتے ہیں اور بعض نے آدم کو دادا اور سروشان کو پردادا ہے۔

رے گئے (وفیات الاعیان بذیل طیفور)

ان خاندانی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بایزیدؒ نے زہد و تقوی کو توارث میں پایا تھا اور پاکیزہ ماحول کی روح پرور فضاؤں میں پروان چڑھے۔

۲۔ تعلیم و تربیت

تعلیم القرآن ابھی سن مبارک تھوڑا ہی تھا کہ مسلمان گھرانوں کے دستور کے مطابق ماں نے آپ کو شہر کی ایک مسجد میں تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ وہاں آپ قرآن پڑھتے رہے، علم سیکھتے رہے اور امکان بھر قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش بھی کرتے رہے۔

شیخ فریدالدین عطارؒ تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت بایزیدؒ اپنے استاد سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ سورہ لقمان کی اس آیت پر پہنچے۔

اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ۳۱/۱۴

عمل بالقرآن حضرت بایزیدؒ نے اپنے استاد سے اس آیت کے معنی پوچھے۔ اس نے بتایا کہ اس حصۂ آیت میں اللہ تعالیٰ اپنا اور والدین کا شکر ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے یہ معنے سنے تو حالت دگرگوں ہو گئی اور چہرے کا رنگ "متغیر" ہو گیا۔ تختی اور بستہ زمین پر رکھے، استاد سے اجازت لی اور گھر چل دیئے۔ ماں نے وقت سے پہلے گھر آتے دیکھا تو بولیں "اس وقت گھر کیوں آئے ہو؟" جواب دیا "میں قرآن پڑھ رہا تھا جب اس آیت پر پہنچا کہ جس میں خداوند تعالےٰ اپنا اور والدین کے شکر ادا کرنے اور خدمت کرنے کا حکم دیتے ہیں تو میں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں دو آقاؤں کی خدمت کرنے کی

ہمت نہیں رکھتا۔ لہٰذا مجبوراً تمہارے پاس آیا ہوں کہ یا تو مجھے خدا سے مانگ لو تاکہ مکمل طور پر تمہارا ہو جاؤں یا مجھے خدا کے لیے چھوڑ دو تاکہ پورے طور پر اسی کی بندگی کر سکوں۔

خدا رسیدہ ماں نے جواب دیا۔ "بیٹا طیفور! میں اپنا حق چھوڑے دیتی ہوں اور تمہیں خدا کے لیے وقف کرتی ہوں، جاؤ اور خدا کے بن کے رہو۔"

حضرت بایزیدؒ نے ماں کا یہ جواب سنا تو بہت خوش ہوئے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے وطن بسطام کو خیر باد کہا اور علم و معرفت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت تک غالباً آپ نے قرآن پاک کا ۲/۳ حصہ پڑھ لیا تھا، کیونکہ سورۂ لقمان کی متذکرہ بالا آیت پر اکیسویں پارے کا نصف ختم ہوتا ہے۔ بقیہ ساڑھے نو پارے یعنی ۱/۳ سے کسی قدر کم حصہ بعد ازاں مکمل کیا گیا۔

علم کی تلاش میں وطن سے نکل کر اب آپ ملک شام اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔ قریہ بہ قریہ، شہر بہ شہر پھرتے رہے اور متعدد علماء اور مشائخ سے ظاہری و باطنی علم سیکھا۔ سفر و سیاحت بجائے خود رسمی تعلیم سے زیادہ علم و آگہی، بصیرت اندوزی اور عبرت پذیری کا باعث ہے کیونکہ زمین کے چپے چپے پر عبرت کے بے شمار نشان موجود ہیں اور ذرے ذرے پر عروج و زوال کی نجانے کتنی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔

حضرت بایزیدؒ کے اساتذہ و مشائخ کی تعداد خاصی ہے۔

اساتذہ و شیوخ صاحب تذکرۃ الاولیاء نے یہ تعداد ایک سو تیرہ ۱۱۳ بیان کی ہے اور یہ ان کی علمی استعداد، طلب صادق اور محنت شاقہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ بعض بزرگوں کی خدمت میں اگرچہ خود حاضر نہیں ہو سکے تاہم غائبانہ طور پر ان سے بھی فیض یاب ہوتے جیسا کہ صاحب رشحات نے لکھا ہے کہ:

آپ حضرت امام جعفر صادقؒ کے اویسی ہیں یعنی آپ نے ان سے غائبانہ طور پر فائدہ اُٹھایا ہے (سفینۃ الاولیاء)

اس امر کی تائید نقشبندیہ سلسلے کے شجرۂ عالیہ سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے اس اہم ترین روحانی مرشد حضرت جعفر صادقؒ ہی تھے کہ جو خاندانِ نبوّت کے نامور بزرگ ہیں اور جن کی شاگردی پر بڑے بڑے ائمہ اور فقہاء کو ناز ہے۔ حضرت جعفرؒ قرآن و سنّت کے بہت بڑے عالم اور اسرارِ شریعت کے رازداں تھے کیوں نہ ہو، آپ اہلِ بیتِ نبوّت میں سے تھے اور مشہور مقولہ ہے۔

صاحب البیت یدری ما فیہا

ترجمہ۔ گھر کا مالک ہی اچھی طرح جانتا ہے کہ گھر کے اندر کیا ہے۔

حضرت جعفر صادقؒ کی شاگردی اور روحانی فیض حضرت بایزیدؒ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی اور آپ علم و عرفاں کے میدان میں بڑی تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔

استاد کا ادب و احترام

اساتذہ کا احترام کیے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ معرفت اور عرفاں کہ جو سراسر ادب و احترام کے متقاضی ہیں۔ افسوس یہ چیز اب ہماری درس گاہوں میں مفقود ہوتی چلی جارہی ہے، اس کی ایک وجہ تو ہمارے اس زمانے کے اساتذہ میں کاروباری ذہنیت کا پیدا ہو جانا اور مشنری اسپرٹ سے تہی داماں ہونا ہے۔ بہر حال تلامذہ کا فرض یہی ہے کہ اپنے اساتذہ کا ادب کریں۔ احترام ہی کا سبق حضرت بایزیدؒ ہمیں دیتے ہیں۔ زبانِ قال سے اور زبانِ حال سے بھی تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ اپنے اساتذۂ کرام کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ایک نامور شاگرد اور بھتیجے حضرت ابو موسیٰؒ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ میری قبر، میرے استاد کی قبر سے پست

بنائی جائے (نفحات الانس) غالباً یہ وصیت اسی استاد کے قبر کے بارے میں تھی
کہ جن سے آپ نے قرآن پڑھا تھا۔ کیونکہ بسطام میں جہاں بعد ازاں حضرت بایزید
دفن ہوئے وہاں اسی استاد کی قبر تھی۔ شیخ فرید الدین عطارؒ لکھتے ہیں کہ حضرت
بایزید کے اساتذہ میں ایک صادق نامی استاد بھی تھے۔ ان کے ہاں آپ مدت تک علم و
عرفاں حاصل کرتے رہے لیکن احترام کا یہ عالم تھا کہ استاد کے سامنے کبھی نظر اٹھا کر
نہ دیکھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اپنے اس استاد کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے
کہ استاد نے کہا: "بایزید! طاق سے فلاں کتاب اٹھا لاؤ"۔

جواب دیا: "استادِ محترم! کونسا طاق؟"

استاد نے فرمایا: "بایزید! تمہیں مدت ہو گئی کہ یہاں ہو اور ابھی تک تم نے
طاق ہی نہیں دیکھا"۔

بایزیدؒ کہنے لگے: "ہرگز نہیں جناب! مجھے اس سے کیا سروکار؟ اور مجھے یہ
ہمت کہاں کہ استاد کے سامنے سر اٹھاؤں۔ مزید میں یہاں اِدھر اُدھر دیکھنے نہیں
آیا"۔

استاد شیخ صادقؒ نے یہ سنا تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

"اگر حالت یہ ہے تو تم اب بسطام واپس جا سکتے ہو کیوں کہ
تمہارا تحصیل علم و عرفاں کا کام مکمل ہو چکا ہے"۔ (تذکرۃ الاولیاء)

کسی نے کہا ہے اور سچ کہا ہے کہ:

با ادب بانصیب   بے ادب بے نصیب

دیگر شیوخِ طریقت

انگریز مستشرق پروفیسر نکلسن (R.A. NICHOLSON) نے اپنے مقالے میں کہ جو جرنل آف رائل ایشیاٹک
سوسائٹی ۱۹۰۶ء میں چھپا ہے، تحریر کیا ہے کہ حضرت بایزید کے تصوف میں استاد

ایک کُرد تھے اور تصوف و طریقت اختیار کرنے سے پہلے آپ فقہ میں اصحاب الرائے کے مسلک پر تھے لیکن طریقت پر چلنے کے بعد آپ نے کسی خاص مسلکِ فقہ کی پابندی اور تقلید سے اپنے آپ کو بلند کر لیا۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعد ازاں آپ ہر اس فتوے پر عمل کرتے تھے کہ جو تقویٰ اور زیادہ احتیاط پر مبنی ہوتا اور یہی سبھی اہلِ طریقت کا طریقہ ہے۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے فاضل مصنّف کے بیان کے مطابق آپ فقہ میں حنفی المذہب تھے۔ شیوخ کے بارے میں تواریخ آئینہ تصوّف کے مصنّف بعض اصحاب کشف کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ نے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی طور پر خلافت رسول شاہی اور حضرت عین الدین شامی قدّس سرّہ العزیز سے خلافت کُلّی پانے کا شرف حاصل کیا۔ ان کے علاوہ شیخ ابو علی سندھیؒ سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔

مبداءِ فیض۔ استادِ حقیقی یُوں تو حضرت بایزیدؒ نے کئی اساتذہ و شیوخ سے اکتساب علم کیا لیکن استادِ حقیقی ان کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ اور مبداءِ فیض تھا کہ جس کی رہنمائی انہیں ہمیشہ میسّر رہی اور جسے یہ نعمت حاصل ہو، اس کی خوش نصیبی کے کیا کہنے؟

آپ اس وہبی، لدُنّی اور خداداد علم کی وجہ سے دوسرے لوگوں پر فخر کیا کرتے تھے اور یہ فخر بجا بھی تھا۔

خود فرماتے ہیں:

"دوسرے مردوں نے مُردوں سے علم حاصل کیا (لہٰذا باقی نہ رہا) اور ہم نے زندہ (الحی القیوم) سے علم حاصل کیا ہے کہ جو زندہ جاوید ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

حضرت بایزیدؒ کے اسی قسم کے اظہارِ خیال سے کہ جو علم پر شکرِ الٰہی کے باب میں تھا۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ آپ کا سرے سے کوئی شخص استاد ہی نہیں ہے اور آپ اس اعتبار سے اُمّی ہیں حالانکہ یہ حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

علم پر عمل یہ علم و عرفاں جو کچھ آپ نے حاصل کیا۔ اس پر عمل بھی کیا اور اس طرح علم و عرفاں کے خود عملی پیکر بن گئے۔ قرآن پڑھا تو اس کے معانی و معارف سے بھی آگاہی حاصل کی اور ان تعلیمات کو بڑے حسن کارانہ انداز میں اپنی عملی زندگی میں جگہ دی۔ تعلیم قرآن کا درحقیقت یہی طریقہ تھا جو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ میں مروّج تھا۔ چنانچہ اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نقشہ ان دو لفظوں میں کھینچا تھا۔

كان خلقه القرآن

ترجمہ۔ آپؐ کی سیرت اور اخلاق بعینہٖ وہی تھا کہ جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ کو سورہ بقرہ یاد کرنے میں بارہ۱۲ سال کا طویل عرصہ لگ گیا تھا کیونکہ آپ نے علم کے ساتھ عمل کو بھی سیکھا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہی کیا کرتے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"ہم (صحابہ) نے جب رسول اکرمؐ سے قرآن سیکھا تو علم و عمل کو ساتھ ساتھ سیکھا۔" (اتقان سیوطی)

یہ ہم مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ہم نے اب محض قرأت ناظرہ پر اکتفا کر لیا ہے۔ (اگرچہ یہ بھی بڑے ثواب کا کام ہے) جبکہ صحابہ کرامؓ اور ہمارے اسلاف علم و عمل کو ساتھ ساتھ سیکھتے تھے اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی مقدس

زندگیاں قرآن و سنّت کی عملی تفسیریں بن گئیں۔

علم پر عمل کرنا آسان نہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ علم پر عمل کرنا آسان نہیں لیکن ہمّت اور عزیمت والے ہمیشہ ایسا کرتے ہی رہے ہیں۔

حضرت بایزیدؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

عملتُ فی المجاهدةِ ثلٰثین سنةً فما وجدتُ شیئاً اشدَّ علیَّ منَ العلمِ و متابعتهٖ (طبقات کبریٰ۔ رسالہ قشیریہ۔ کشف المحجوب۔ طبقات الصوفیہ)

ترجمہ: میں نے تیس سال مجاہدہ کیا لیکن میں نے اپنے اوپر علم اور اس کی متابعت یعنی عمل سے بڑھ کر کوئی چیز سخت اور دشوار نہیں دیکھی۔

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم پر عمل کرنا اس لیے مشکل ہے کہ ایسا کرتے وقت انسان کو اپنی نفسانی خواہشات کی مخالفت کرنی پڑتی ہے اور اعمال کی تکمیل میں تن آسانی کو چھوڑ کر تندہی اور کدوکاوش سے کام لینا پڑتا ہے اور یہ سب کچھ یقیناً محنت طلب ہے اور اس میں مشقت ہی مشقت ہے۔ خصوصاً طہارتِ قلب سے متعلق علم پر تو عمل کرنے میں اور بھی زیادہ تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ اس میں ریاکاری، غرورِ زہد اور کبر و نخوت وغیرہ بری عادتیں چھوڑ کر ورع و پرہیزگاری اور زہد و اخلاص وغیرہ اخلاق حمیدہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔

علم پر عمل کرنے کا خوشگوار نتیجہ یہ ہُوا کہ حضرت بایزیدؒ نے اپنی زندگی اور سیرت کو قرآنی تعلیمات اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے

مقدس سانچے میں ڈھال لیا۔ قادرِ مطلق نے دست گیری فرمائی اور اس وقت تک انہیں دنیا سے نہیں اٹھایا جب تک انہوں نے اپنے سیرت و کردار کی تعمیر و تکمیل نہ کر لی۔

حفظِ قرآن جہاں فانی سے رخصت ہونے سے پہلے پہلے حضرت بایزیدؒ کو پورا قرآن مستحضر ہو گیا تھا۔ چنانچہ امام ابوالقاسم قشیریؒ رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں:-

قیل لم یخرج ابو یزید من الدنیا حتیٰ استظھر القرآن کُلَّہ

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ حضرت بایزیدؒ نے دنیا سے کوچ کرنے سے پیشتر پورا قرآن معنوں کے ساتھ حفظ اور زبانی یاد کر لیا تھا۔

علم پر عمل کرنے کے فوائد علم پر عمل کرنے سے علم و معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اور فیضان ربانی میسر آتا ہے جیسا کہ امام شعرانیؒ رقمطراز ہیں:-

"ایک روز حضرت بایزیدؒ سے ان کے شہر بسطام کے ایک عالم اور فقیہ نے آکر پوچھا "اے بایزید! تمہارے اس علم کا آخر ماخذ کیا ہے؟ سکھانے والا کون ہے؟؟ اور کہاں سے یہ علم آیا ہے؟؟؟"

حضرت بایزیدؒ نے جواب میں فرمایا "خدا کی بخشش و عطا، اس کا ماخذ ہے سکھانے والا خدا ہے اور وہیں سے یہ آیا ہے جہاں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ عَمِلَ بِمَا یَعْلَمُ وَرَثَہُ اللّٰہُ العلمَ مالم یعلم

ترجمہ: جس شخص نے اس چیز پر عمل کیا جس کو کہ وہ جانتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسے علم کا وارث بنا دے گا کہ جو اس کو معلوم نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ فقیہ جو پہلے اعتراض کر رہا تھا خاموش ہو گیا۔ (طبقات کبریٰ)

تعلیم الحدیث قرآن کے ساتھ حدیث و سنّت کا علم سیکھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا لازمی و لابدی ہے، کیونکہ یہ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں۔

ع این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

حضرت بایزیدؒ عاشق رسول تھے اس لئے انہوں نے حدیث نبویؐ کی طرف پوری پوری توجہ دی کیونکہ محبّ کو اپنے محبوب کی باتیں بڑی پیاری ہوتی ہیں اور اسے وہ خوب یاد رہتی ہیں۔ چنانچہ تعلیم کے دوران حضرت بایزیدؒ نے حدیث شریف کا درس بھی لیا تھا اور اپنے وعظ اور درس میں اکثر احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک معترض فقیہ کو جواب دیتے ہوئے آپ نے ایک حدیث شریف کا حوالہ دیا تھا۔ حضرت بایزیدؒ ولی کامل تھے اور ولی کے لیے سنّت سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے تاکہ وہ سنّت کے خلاف کسی فعل کا مرتکب نہ ہو سکے۔ کیونکہ خود حضرت بایزیدؒ کے اپنے فتوے کے مطابق خلافِ سنّت فعل کا مرتکب ولی نہیں ہو سکتا۔ حدیث اسی سنّت کے علم اور تذکرے کا نام ہے۔

روایتِ حدیث متعدد سیرت نگار حضرت بایزید کا تعارف احادیثِ نبویؐ کے ثقہ راوی کی حیثیت سے کراتے ہیں اور ان کی بیان کردہ روایات پر اعتماد کرتے ہیں مثلاً حضرت سید علی ہجویریؒ کشف المحجوب

ہیں اور امام شعرانیؒ طبقات کبریٰ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بیان کردہ روایات عالی ہیں۔"

امام ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ نے طبقات الصوفیہ میں مرویات بایزیدؒ میں سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا سلسلہ اسناد حسب ذیل ہے:۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو سعید الخدریؓ

حضرت عطیہ العوفیؒ

حضرت عمرو بن قیس الملائیؒ

حضرت ابو عبدالرحمٰن السُّدّیؒ

• حضرت ابو یزید البسطامیؒ •

حضرت ابو موسیٰ الدیبلیؒ

حضرت علی بن جعفر البغدادیؒ

حضرت ابوالفتح احمد المعروف بہ ابن الحمصی الواعظؒ

حضرت ابو عمرو عثمان بن محمد الکازرونیؒ

حضرت ابوالحسن منصور بن عبداللہ الدیمرتیؒ

حضرت ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ

متنِ حدیث مندرجہ ذیل ہے:۔

اِنَّ من ضعفِ الیقینِ ان تُرضی الناس بسخط اللہِ تعالیٰ واَنْ تحمد ھم علی رزق اللہِ وان تذمھم علی ما لم یوتکَ اللہِ واِنَّ رزق اللہ لایجرّہ حِرصُ حریصٍ ولا

یردّہ کرہ کارہ اِنّ اللہ تعالیٰ بحکمۃ وجلالہ جعل الرّوح والفرح فی الرضاء الیقین وجعل الھمّ والحزن فی الشکّ والسخط۔

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یقین کی کمزوری میں سے یہ بات ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرے۔ اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر لوگوں کی تعریفیں کرتا پھرے اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی چیز عطا نہ کرے تو تو لوگوں کی برائی بیان کرنے لگے۔ بے شک اللہ کا رزق ایسا ہے کہ جس کو کسی حرص کرنے والے کا حرص اور کسی ناگوار سمجھنے والے کی ناگواری روک نہیں سکتی۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور جلال سے کام لیتے ہوئے طمانیت اور فرحت کو رضا اور یقین میں رکھا ہے اور حزن وملال کو شک اور (قضاء قدر سے) ناراضی میں رکھ دیا ہے۔

مفہوم حدیث یہ ہے کہ رازق حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہی عطا کرنے والا ہے اور وہی روکنے والا ہے اس لیے وہ اگر عطا کرے تو اوّلاً اسی ہی کا شکر ادا کرنا چاہیے اور کچھ عطا نہ کرے تو قضاء قدر پر صبر کرنا چاہیے اور راضی برضا رہنا چاہیے۔ لوگ اگر ہمیں کچھ کھانے پینے کو دے دیتے ہیں تو وہ درحقیقت خدا کے حکم سے ہوتا ہے کہ وہ ان کے دلوں میں دوسروں کی مدد کرنے کی بات ڈال دیتا ہے اور اسی طرح لوگوں کے پاس سے جب کچھ نہیں ملتا تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں ہمیشہ خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیے اور اسی میں طمانیتِ قلب، پختگیِ ایمان اور نجات اخروی کا سامان ہے۔

احترامِ سنّت۔ حضرت بایزیدؒ کی سنّتِ رسولؐ کے ادب کی یہ کیفیت تھی کہ

اس کی معمولی سی خلاف ورزی بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ان کے دل میں بس اسی شخص کا احترام باقی رہ سکتا تھا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و سنن کا احترام کرتا ہو۔ پیارے رسول ؐ کے بارے میں ان کا شعار وہی تھا کہ جو عاشقانِ رسول ؐ کا ہمیشہ سے رہا ہے یعنی:

با محمدؐ ہوشیار باش!

چنانچہ تذکرہ نگاروں نے تواتر کے ساتھ یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت بایزیدؒ کے عہد میں کسی شہر میں ایک شخص نے اپنے آپ کو ولی اللہ مشہور کر رکھا تھا۔ آپ نے اپنے ایک مرید کو ساتھ لیا اور اس کی طرف چل دیئے جب وہاں پہنچے تو وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہو رہا تھا۔ اس دوران میں اس نے مسجد میں قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت بایزیدؒ نے یہ دیکھا تو واپس چلے آئے اور اُسے سلام تک کرنا بھی گوارا نہ کیا اور فرمایا:۔

هٰذا غیر مامونٍ علیٰ ادبٍ من آداب رسول الله صلی الله علیه وسلم فکیف مامونٍ علیٰ ما یدعیه۔

(رسالہ قشیریہ۔ کشف المحجوب۔ عوارف المعارف)

ترجمہ: یہ شخص جب رسول پاکؐ کے آدابِ زندگی میں سے ایک ادب اور سنّت پر محفوظ نہیں ہے تو یہ اپنے دعویٰ ولایت میں کیونکر محفوظ اور قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے؟

؎ خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

امام شاطبیؒ اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کا یہ ارشاد ایک اصلِ عظیم ہے جس سے معلوم ہوتا کہ تارکِ سنّت

کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا. خواہ ترکِ سنّت بوجہ ناواقف ہونے کے ہُوا ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ آپ اس شخص سے ملنے کے لیے دُور دراز کا سفر طے کر کے تشریف لے گئے تھے. شیخ ابو ابراہیم بخاریؒ شرح تعرّف میں بیان کرتے ہیں کہ دو مہینے کی مسافت تھی یعنی وہاں تک آنے جانے میں چار مہینے لگ گئے اور جب اسے تارکِ سنّت دیکھا تو ملنا تو کجا، سلام تک کرنا بھی پسند نہ فرمایا۔

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک اتباعِ سنّت ہی سب سے بڑی کرامت ہے چنانچہ ان کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس کرامت کا خواہاں ایک شخص محض فیض اُٹھانے کے لیے آیا اور چند سال آپ کے پاس رہا پھر بددل ہو کر جانے لگا۔ آپ نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ اتنے عرصے میں آپ نے کوئی کرامت نہیں دکھائی. فرمایا: "اچھا یہ تو بتاؤ کہ مجھے کبھی سنّت کی خلاف ورزی کرتے بھی دیکھا ہے؟" وہ کہنے لگا "نہیں، شریعت و سنّت کے تو آپ پوری طرح پابند ہیں"۔ یہ سُن کر ارشاد فرمایا "پھر اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت چاہیے؟"

احترامِ مسجد

حضرت بایزیدؒ خود مسجد کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ کے گھر اور مسجد کے درمیان چالیس قدم کا فاصلہ تھا اور احترامِ مسجد کی وجہ سے اس راستے میں بھی ہرگز نہ تھوکتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے چالیس سال تک مسجد کے مجاور کی حیثیت سے خدمت کی تھی۔ غالباً یہ مسجد بسطام میں گھر سے قریب والی تھی کہ جس کی صفائی آپ کرتے رہتے تھے. تذکرۃ الاولیاء میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کا معمول تھا کہ جب کسی مسجد کے دروازے پر پہنچتے تو گھڑی بھر کے لیے ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے اور رونے لگتے لوگوں نے اس کا سبب پُوچھا تو فرمایا:

"میں اپنے آپ کو مستحاضہ عورت کی طرح پاتا ہوں کہ جو مسجد میں جانے سے خوف کھاتی ہے کہ کہیں اسے آلودہ نہ کر دے۔"

مقصد تعلیم حصولِ علم کا مقصد حضرت بایزیدؒ کے نزدیک خدا شناسی ہے۔ اگر علم سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا یا کسی اور غرض کے لئے علم حاصل کیا جاتا ہے تو بے کار محض ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"علم اور معلومات حاصل کرنا اس شخص کو زیب دیتا ہے کہ جو علم سے معلوم اور خبر سے مخبر یعنی خدا تعالیٰ کے قریب ہو جائے۔ اگر کوئی شخص فخر و مباحات اور مرتبہ و زینت کے لئے علم سیکھتا ہے تاکہ لوگوں میں اس کی پذیرائی ہو تو وہ ہر روز خدا سے دُور اور مہجور ہوتا چلا جاتا ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

۳۔ ریاضات و مجاہدات

تزکیۂ نفس حضرت بایزیدؒ ابتدا ہی سے روحانیت و طریقت کی راہ پر گامزن تھے، لہٰذا مجاہدات کے ذریعے سلوک اور طریقت کی منازل طے کرنے لگے۔ مجاہدہ درحقیقت تزکیۂ نفس کے لیے کہا جاتا ہے اور اس میں نفسانی خواہشات کا قلع قمع کر کے اپنے آپ کو عبودیّت کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ نفس امّارہ ایک مارِ آستین ہے۔ لہٰذا اس کا سر کچل دینا ہی بہتر ہے۔ کسی بڑے پہلوان کو پچھاڑ دینا اتنی بہادری نہیں جتنا اپنے نفس کو شکست دینا۔ بقول شاعر۔

؎ بڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا

علم پر عمل کرنا حسنِ اتفاق سے حضرت بایزیدؒ نے خود اپنے مجاہدوں اور ریاضت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک سب سے اہم مجاہدہ اپنے علم پر عمل کرنا ہے چنانچہ ان کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ میں نے تیس سال مجاہدہ

کیا لیکن علم اور پیروئ علم —— عمل سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں دیکھی۔

تقوئ اور بے غرض عمل

حضرت بایزیدؒ نے اپنی زندگی کے پورے تیس سال مجاہدوں میں گزارے تھے۔ اس زمانے میں وہ کن کن دشوار گزار راہوں سے گذرے اور کیا کیا صعوبتیں اور تکلیفیں انہوں نے اٹھائیں۔ ان کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہے اور یہ سب کچھ خشیتِ الٰہی کے ماتحت اور قربِ خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے تھا جس قدر علم و معرفت زیادہ ہوتے ہیں۔ انسان اتنا زیادہ خدا سے ڈرتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ ۳۵/۲۸

ترجمہ: بے شک بندگانِ خدا میں سے عالم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

تقوئ اور بے غرض عمل معرفت کی اساس ہے اور انہی پر حضرت بایزیدؒ کا عمل تھا۔ فتویٰ کی بجائے تقویٰ پر عمل پیرا ہوتے اور جو کچھ عمل کرتے اس سے غرض امتثال امر اور رضا الٰہی کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ انہی چیزوں کی آپ دوسروں کو بھی تلقین کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کے حالات میں ملتا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور درخواست کی کہ مجھے کوئی چیز سکھا دیجئے کہ جس کے ذریعے میری نجات ہو جائے۔ فرمایا:

"دو باتیں یاد رکھو، علم سے تمہارے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ خدا تمھارے ہر فعل سے پوری طرح باخبر ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ دوسری یہ بات یاد رکھو کہ خدا تمہارے عمل سے بے نیاز ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

مجاہدات کے سلسلے میں حضرت بایزیدؒ کا ایک واقعہ
ایک مجاہدے کا بیان عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار آپ سے
کہا گیا کہ اپنے مجاہدے کی کوئی حکایت سنائیں، فرمایا:۔

"اگر اپنے مجاہدے بیان کردوں جو میں نے کیے ہیں تو تم سننے کی تاب نہ لا سکو گے۔ ہاں ایک معمولی سا مجاہدہ اگر سننا پسند کرو تو بیان کیے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آدھی رات کو میرے دل میں آیا کہ باقی آدھی رات یادِ خدا میں جاگوں گا لیکن میرے نفس نے اس کی مخالفت کی۔ اس پر میں نے قسم کھالی کہ یہ عبادت میں میرا یار نہیں ہوا لہٰذا اُسے ایک سال تک پانی نہیں دوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور سال برابر اسے پانی نہیں دیا۔"

(وفیات الاعیان۔ رسالہ قشیریہ۔ افضل الفوائد)

مولانا رومؒ نے اس واقعہ کو مثنوی میں قلمبند کرتے ہوئے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ طبیعت میں کاہلی اور سستی کا باعث پانی کا بکثرت استعمال تھا۔ اشعارِ مثنوی ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ بایزید از بہرایں کرد احتراز	دید در خود کاہلی اندر نماز
۲۔ از سبب اندیشہ کرد آں ذولباب	دید علت خوردن بسیار از آب
۳۔ گفت تا سالی نخواہم خورد آب	آنچناں کرد و خدا ایش داد تاب

ترجمہ: اشعار۔

۱۔ حضرت بایزیدؒ نے جب اپنے اندر نماز سے کاہلی کو محسوس کیا تو اس وہاں سے پرہیز اختیار کیا۔

۲۔ اس مرد دانا نے اپنی بیماری کا سبب زیادہ پانی پینے میں پایا تھا۔

۳۔ لہٰذا انھوں نے کہا کہ سال برابر پانی نہیں پیوں گا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور خدا نے انہیں برداشت کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔

حضرت امیر خسروؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے درویشوں سے فرمایا کہ اسلام کا نام لینا بڑا آسان ہے لیکن اسلام کے کام کرنا سخت دشوار ہے۔

پھر بیان فرمایا کہ لوگوں نے حضرت بایزیدؒ سے عرض کیا یہ کیسا سخت مجاہدہ ہے کہ جو آپ اپنے نفس پر کرتے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا:

اس سبب سے یہ مجاہدہ کرتا ہوں کہ لوگ مجھ کو مسلمان سمجھتے ہیں جب مسلمان ہوں تو مسلمانی کا حق کیونکر نہ ادا کروں۔

مخالفتِ نفس نفس کی موافقت کرنے میں نقصان ہی نقصان ہے، اور مخالفت میں خیر و خوبی ہے جیسے کہ کہا گیا ہے:

طاعة النفس داءٌ وعصیانها دواءٌ

ترجمہ: نفس اور شہوت کی اطاعت بیماری اور اس کی مخالفت اس کی دوا ہے۔

حضرت بایزیدؒ نفس کی مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہتے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے تحفۃ العارفین میں بخط مولانا علاء الدینؒ لکھا دیکھا ہے کہ خواجہ بایزید بسطامیؒ کو تیس سال سے سیب کھانے کی آرزو تھی لیکن آپ نے کبھی نہ کھایا اور نفس کی یہ آرزو پوری نہ کی۔ ایک دفعہ ایک شخص چند سیب آپ کی خدمتِ اقدس میں لایا۔ آپ نے ان کو ہاتھ میں لے کر تبسم فرمایا اور پھر انہیں حاضرین میں تقسیم کر دیا اور خود نہیں کھائے۔ بعد ازاں

فرمایا اگر میں نفس کی آرزو پوری کر دوں تو مجھ پر غالب آجائے گا اور میں کچھ بھی نہ رہوں گا کیونکہ جو شخص نفس کی آرزو پوری کرے وہ اہلِ معنی کے نزدیک ہیچ ہے اور اس کے عمل میں سستی واقع ہو جاتی ہے (افضل الفوائد) اس سلسلے میں امام ابوصیریؒ نے بھی یہی نصیحت کی ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

فاصرف هواها وحاذر ان تولّیه
اِنّ الهوی ما تولّی یصم اَو یصم

ترجمہ: نفس کی خواہشات کا رُخ موڑ دو، ہوشیار اس کا غلبہ نہ ہونے پائے کیونکہ خواہشِ نفس جب غالب آتی ہے تو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے یا کم از کم عیب دار، ذلیل (تو ضرور) کر دیتی ہے۔

ملاطفتِ نفس عبادت اور ریاضت میں اگر آدمی کوشش کرے، تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق ارزانی کرتا ہے۔ نفس کی طرف سے مخالفت اور ردِ عمل کم ہو جاتا اور پھر طبیعت، عبادت میں کیف و سرور محسوس کرنے لگ جاتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت بایزیدؒ سے دریافت کیا کہ طریقت میں مشکل کام کیا دیکھا ہے۔ ارشاد فرمایا:

"میں مدتوں اپنے نفس کو خدا کی بارگاہ کی طرف لے جاتا تھا اور وہ روتے جاتا تھا مگر جب توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہوئی تو میں اسے لے جاتا ہوں اور وہ ہنسی خوشی چلا جاتا ہے۔" (تذکرۃ الاولیا)

علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب صید الخاطر میں حضرت بایزیدؒ کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتدا میں نفس کی کسی قدر خاطر داری اور ملاطفت ضروری ہے اور راستہ اسی طرح طے ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ملاطفت اور چیز ہے اور موافقت اور چیز۔

زہدِ تام

حضرت بایزیدؒ نفس کی نفسیات سے پوری طرح باخبر تھے اور توفیق الٰہی میسّر تھی لہٰذا سب مرحلے جلدی جلدی طے ہوتے گئے اور اتنی سُرعت کے ساتھ طے ہوئے کہ مدارج معلوم بھی نہیں ہوتے۔

حضرت علی البسطامیؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بایزیدؒ سے ان کے زُہد کے مدارج کے بارے میں پوچھا انہوں نے جواب دیا۔

"میرے لئے زہد میں مدارج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ میں صرف تین دن زُہد میں رہا ہوں جب چوتھا دن ہُوا تو میں زُہد کے سب مدارج طے کر چکا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے دن میں نے دنیا میں، دوسرے دن آخرت میں اور تیسرے دن ماسوائے اللہ کے بارے میں زہد اختیار کر لیا اور جب چوتھا دن ہُوا تو میں اللہ کے سوا سب چیزوں سے بے نیاز ہو چکا تھا۔" (رسالہ قشیریہ)

بھُوکے رہنا

صوفیائے کرام کے نزدیک شکم پُری، نفس پروری ہے اور اچھا لباس غرور و تکبر کا احساس پیدا کرتا ہے چنانچہ ان بزرگوں نے کم کھانے بلکہ بھوکے رہنے اور پھٹے پُرانے کپڑے پہننے کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ بھُوکے رہنے اور ذکرِ الٰہی کرنے سے انسان بہیمیت سے بلند ہو جاتا ہے اور اس میں ملکوتی صفات پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ فرشتے بھی بغیر کھائے پیئے یادِ خدا میں لگے رہتے ہیں۔ حصولِ معرفت کا یہی کامیاب طریقہ ہے۔ امام قشیریؒ لکھتے ہیں:

"حضرت بایزیدؒ سے پُوچھا گیا:" آپ نے یہ معرفت کس چیز کے ذریعے حاصل کی ہے؟"

جواب میں ارشاد فرمایا:

ببطن جائع وبدنٍ عادٍ (رسالہ قشیریہ و طبقات الصوفیہ)

ترجمہ: بھوکے پیٹ اور عریاں بدن یعنی پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس بدن کے ساتھ۔

کتاب تذکرۃ الاولیاء میں تحریر ہے کہ آپؒ فرمایا کرتے تھے:-

"اگر فرعون شکم سیر نہ ہوتا اور بھوکا رہتا تو کبھی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ نہ کہتا اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ متکبر شخص کو معرفت کی ہوا تک بھی نہیں لگ سکتی۔"

آپؒ کا یہ بھی ایک قول ہے۔

"بھوک ایک بادل ہے کہ جو بجز حکمت کی بارش نہیں برستا۔"

اکل حلال

تزکیہ نفس، طہارتِ قلب اور حصولِ معرفت کے لیے اکل حلال نہایت ضروری ہے۔ تھوڑا کھایا جائے مگر جو کچھ کھایا جائے وہ حلال ہونا چاہیے۔ کیونکہ حرام کھانے سے شیطنت پیدا ہوتی ہے اور روحانیت دُور ہو جاتی ہے اولیاء اللہ کی اپنی اور ان کے والدین کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے اندر عموماً ایک خوبی مشترک ملتی ہے کہ وہ سب اکل حلال پر سختی سے کاربند تھے اور ان میں احتیاط اور تقویٰ شعاری حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

"تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ حضرت بایزیدؒ مادر زاد ولی تھے۔ آپ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی تھے کہ ایک روز ان کی والدہ نے شبہ کا ایک لقمہ کھا لیا۔ آپ ماں کے پیٹ کے اندر اس قدر بے چین ہو گئے کہ ماں نے جب تک قے کر کے اس لقمے کو نکال نہ دیا، اس وقت تک چین نہ آیا۔" (سفینۃ الاولیاء۔ افضل الفوائد)

"ایک اور واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار خواجہ یحییٰ بن

معاذ رازیؒ نے حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں جو کی دو روٹیاں پکا کر بھیجیں اور کہلا بھیجا کہ یہ میں نے آبِ زمزم سے گوندھ کر پکائی ہیں جب خادم نے آ کر یہ پیغام اور روٹیاں دیں تو آپ نے واپس کر دیں اور کہلا بھیجا۔

یہ تو بتا دیا کہ یہ روٹیاں آبِ زمزم سے گوندھ کر پکائی ہیں لیکن یہ تو نہیں بتایا کہ ان روٹیوں کا آٹا کس ذریعے سے آیا تھا اور کس کھیت سے جو آئے تھے۔ جب تک اس کی حقیقت معلوم نہیں، ہم ایسی روٹیاں نہیں کھا سکتے۔ (افضل الفوائد)

ذکر الٰہی

طہارتِ قلب کے لیے ذکر الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔ یہ دل کو کدورتوں، زنگار اور میل کچیل سے پاک صاف کر دیتا ہے اور جب دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے تو مشاہدۂ الٰہی کے لائق ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ نے ذکر الٰہی کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ بکثرت ذکر کرتے تھے۔ اکثر ذکرِ خفی سے کام لیتے اور کبھی کبھی ذکرِ جلی بھی کیا کرتے تھے۔ جب بھی ذکر کرتے زبان کو تین پانیوں سے دھو لیتے اور ہمیشہ حضورِ قلب کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے اس دوران میں کبھی کبھی خداوند تعالیٰ کی ہیبت اور اپنی کوتاہیوں کا اس قدر شدید احساس ہو جاتا کہ ساری ساری رات ذکر کے لئے بیٹھے رہتے مگر زبان پر کوئی کلمہ نہ لا سکتے۔ تن کا رواں رواں لرزاں ترساں ہوتا۔ پیشاب بھی کرتے تو وہ خون ہی خون ہوتا۔

طریقت کے دو طریقے

امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں تزکیۂ نفس کا طریق دو طرح پر ہے ایک وہ طریق ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریق ہے

کہ جو مریدوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرا طریق جذب و محبت کا طریق ہے جو اجتبا یعنی برگزیدہ کرنے کا راستہ ہے اور مرادوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں طریقوں میں بہت فرق ہے پہلا طریق مطلوب کی طرف خود چل کر جانے کا ہے اور دوسرا طریق مقصود کی طرف لے جانے کا ہے اور رفتن جانے اور بُردن (لے جانے) میں بڑا فرق ہے۔ (مکتوبات شریف)

حضرت بایزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کا طریقہ جذب و محبت تھا اور آپ مرید نہیں بلکہ مراد تھے لیکن آپ بڑے عالی ہمت واقع ہوئے تھے کہ آپ نے دونوں طریقوں سے فائدہ اُٹھایا۔ ایک طرف انہوں نے ریاضت اور مجاہدات میں ایسی تندہی اور محنت سے کام لیا کہ ہم سننے کی بھی تاب نہیں لا سکتے۔ دوسری طرف جذب و محبت کے ذریعے روحانی مراحل پے در پے طے کرتے چلے گئے حتٰی کہ زُہد کے سارے مراحل صرف تین دنوں میں طے کر لئے حالانکہ دوسروں کی اس میں عمریں صرف ہو جاتی ہیں۔

۴۔ ولایت

مجاہدات اور جذب و محبت کے ذریعے حضرت بایزیدؒ ولایت اور روحانیت کے ارتقاء کی انتہائی منازل پر پہنچ گئے۔ وصل اور مشاہدے کی راہیں ان پر کھول دی گئیں اور ان نعمتوں کے حق دار قرار پائے کہ جن کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ $\frac{29}{69}$

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم ضرور ان کی

اپنی راہوں کی طرف رہنمائی کر دیں گے اور بے شک اللہ حسنِ عمل سے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

شرابِ حقیقت کی سرشاری

حضرت بایزید رحؒ عشقِ الٰہی میں سرمست تھے۔ شرابِ حقیقت کے نجانے کتنے جام پیے مگر پھر بھی وسعتِ ظرف کا یہ عالم تھا کہ زبان پر ھل من مزید ہی رہا۔ روایت ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحؒ نے ایک بار حضرت بایزید رحؒ کو لکھ بھیجا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ جسے پینے کو شرابِ محبت کا ایک پیالہ مل گیا ہو اور اس میں سرمست ہے۔ آپ نے جواب میں کہلا بھیجا یہاں تو وہ لوگ موجود ہیں کہ جو کائنات کے سمندر پی گئے ہیں اور پھر بھی ھل من مزید (کچھ اور بھی ہے؟) ان کی زبانوں پر ہے۔ (طبقات کبریٰ۔ افضل الفوائد۔ رسالہ قشیریہ۔ تذکرۃ الاولیا۔ روض الریاحین)

اس ضمن میں کسی نے کتنے عمدہ شعر کہے ہیں:

۱۔ عجبت لمن یقول ذکرتُ ربّی
وَھَل انسی فاذکر ما نسیتُ

۲۔ شربتُ الحب کاساً بعد کاسٍ
فما نفد الشرابُ ولا رویتُ

ترجمہ: ۱۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو یاد کیا (میں اسے جواب میں کہتا ہوں کہ) کیا خدا کو میں بھول جاتا ہوں کہ اسے (پھر) یاد کروں یعنی میں تو اسے ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔

۲۔ میں نے شرابِ محبت کے جام پر جام پیے ہیں پس نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میری پیاس بجھی۔

مشاہدۂ حق حضرت بایزیدؒ مشاہدۂ الٰہی کی نعمت سے فیض یاب تھے اور یہ مشاہدہ صوفیہ کی زبان میں دل کی نگاہ سے دیدارِ الٰہی کرنے کو کہتے ہیں۔ حدیثِ جبرائیل میں مقامِ احسان اسی کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ۔

اَنْ تعبد اللّٰہ کانک تراہ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: تم اس طرح خدا کی عبادت کرو گویا کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔

مشاہدہ اور وصلِ الٰہی دراصل عبادت کی منزلِ آخریں ہے۔ اگر یہ چیز نصیب نہیں ہوتی تو عبادت کا مقصد پورا نہیں ہُوا۔ ایک شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔

ع من لم یکن للوصال اھلاً

فکل طاعاتہ ذنوب

ترجمہ: جس شخص کو وصال کی اہلیّت اور سعادت میسّر نہ ہو تو اس کی ساری عبادتیں اور نیکیاں اکارت گئیں اور وہ بدیوں کے سوا کچھ نہیں۔

۵۔ احترامِ شریعت

شعائرِ الٰہی کا لحاظ حضرت بایزیدؒ شعائرِ الٰہی کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور انہیں شریعت کا بے حد ادب و احترام ملحوظ رہتا تھا۔ امام شعرانیؒ طبقاتِ کبریٰ میں ابن عطاء اللہؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کی نسبت مشہور ہے کہ آپ مراسمِ شریعت کی تعظیم کرتے اور شریعت سے نہایت ادب کا برتاؤ کرتے تھے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ گنج بخشؒ کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں حضرت بایزیدؒ تمام حالات میں علم دوست اور علماء و فقراء کی تعظیم کرنے والے ہوئے ہیں۔ بخلاف اس مردود گروہ کے کہ جنہوں نے بسبب الحاد، شریعت کے خلاف جد و جہد کو اپنا موضوع بنا لیا تھا۔

نماز کی پابندی

حضرت گنج بخش علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ان بزرگوں میں سے تھے جو ہمیشہ صاحبِ مجاہدہ اور محوِ مشاہدہ رہا کرتے تھے اور غلبہ عشق الٰہی میں مدہوش اور مغلوب رہتے تھے۔ البتہ جب نماز کا وقت آتا تو ہوش میں آجاتے تھے لیکن نماز پڑھ لیتے تھے تو پھر مغلوب ہو جاتے تھے۔ (کشف المحجوب)

ذوقِ جبیں سائی

آپ نماز جس خشوع و خضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ پڑھتے تھے وہ صرف خاصانِ خدا ہی کا حصّہ ہے۔ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ جب نماز کے لئے حضورِ حق میں کھڑے ہوتے تو تعظیمِ شریعت اور ہیبتِ حق کی وجہ سے ان کے سینے کی ہڈیوں سے آواز آیا کرتی تھی اور لوگ اُسے سنتے تھے۔ (نفحات الانس)

آپ نماز اس انداز سے پڑھتے تھے لیکن اس کے باوجود ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ نماز کے ادا کرنے کا جو حق ہے وہ ادا نہیں ہُوا۔

خود فرماتے ہیں:

> ساری عمر میری یہ تمنا رہی کہ ایک نماز تو ایسی ادا کر لوں کہ جو خدا کے شایانِ شان ہو لیکن افسوس نہ کر سکا۔ ایک رات نمازِ عشا کے بعد سے لے کر فجر تک چار چار رکعتیں ادا کیں۔ ہر بار جب فارغ ہوتا تو دل یہی کہتا کہ اس سے بہتر ہونی چاہیے، یہاں تک کہ

صبح ہونے کے قریب ہو گئی مجبوراً جلدی جلدی وتر پڑھے، اور معبودِ حقیقی کے حضور التجا کی۔

بارِ الٰہا! میں نے اپنے طور پر مقدور بھر کوشش کی ہے کہ تیری شان کے مطابق نماز ادا کروں — لیکن افسوس نہ ہو سکی، یہ نماز بایزیدؒ کی اپنی حیثیت کے مطابق ہے۔

پالنے والے! تیرے بے نماز بھی تو بہتیرے ہیں، بایزیدؒ کو بھی ان میں سے ایک سمجھیو اور انہیں میں شمار کر لیجیو۔....."

تذکرۃ الاولیا)

ولایت شریعت کے بغیر نہیں ہوتی

حضرت سیّد علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ ولی کون ہوتا ہے؟

آپ نے نہایت جامع اور بلیغ الفاظ میں جواب دیا:

"سچّا ولی وہ ہوتا ہے جو نفس کا بندہ نہ ہو اور صبر و تحمّل کے ساتھ خدا کے اوامر و نواہی کی تعمیل کرے۔"

حضرت گنج بخشؒ مزید اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ جس شخص کے دل میں خدا کی محبّت زیادہ ہو گی، اس کے دل میں خدا کے احکام کی تعظیم بھی بہت زیادہ ہو گی اور وہ اپنے آپ کو اپنے محبوب کی منع کردہ چیزوں سے باز رکھے گا۔

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک محض کرامت معیارِ ولایت نہیں، اس سلسلے میں ان کا یہ ارشاد آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے اور یقیناً یہ رہتی دنیا تک نوعِ انسانیت کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ آپ نے فرمایا:-

لو نظرتم الی رجلٍ اعطی من الکرامات حتیٰ یرتقی فی الھوا فلا تغتروا بہٖ حتّٰی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر والنھی وحفظ الحدود واداء الشریعۃ۔ (رسالہ قشیریہ۔ وفیات الاعیان)

ترجمہ: اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس سے خرقِ عادت ہوتی ہے اور کرامتیں رونما ہوتی ہیں، یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑتا نظر آئے تو دھوکے میں نہ آجانا (اور اسے ولی نہ سمجھ لینا) بلکہ اچھی طرح دیکھ لینا کہ تم اُسے اوامر و نواہی کی تعمیل اور شریعت کی ادائیگی اور اس کی حدوں کو قائم رکھنے میں کیا پاتے ہو (جو بھی احکامِ شریعت کا پابندی اور عمدگی کے ساتھ ادا کرنے والا ہوگا وہی ولی ہوگا۔)

بایزیدؒ۔ کریم اور صاحبِ کرامت حضرت بایزیدؒ پوری طرح پابندِ شریعت تھے اور صاحبِ کرامت ولی تھے، جیسا کہ علّامہ ابنِ خلکانؒ نے آپ کے ترجمہ و تعارف میں لکھا ہے ولہ مقالاتٌ کثیرۃٌ و مجاھداتٌ مشھورۃٌ و کراماتٌ ظاھرۃٌ۔ (وفیات الاعیان)

صاحبِ تواریخ آئینۂ تصوّف نے آپ کے ایک سو ستّر خوارق گنوائے ہیں۔ بایں ہمہ حضرت بایزیدؒ کے سوانح سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کرامت کے خواہاں نہ تھے اور اس کو کوئی زیادہ اہمیّت نہ دیتے تھے بلکہ اس کے مقابلے میں انہیں اپنی شخصیّت اور روحانیّت کی تکمیل کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز آپ دریائے دجلہ پر گئے۔ دجلہ دونوں کناروں سے بھر آیا۔ آپ نے یہ کرامت دیکھی تو فرمایا:

"مجھے اس امر کے ظاہر کرنے میں ذرّہ برابر بھی غرور و فخر محسوس نہیں ہوتا کہ گو میں کیسا ہی بے حیثیت ہوں لیکن اپنی عمر کے تیس سال

کسی قیمت پر بھی ضائع نہیں کر سکتا، مجھے بس کریم بننا پسند ہے اور مجھے کرامت نہیں چاہیے۔" (سفینۃ الاولیاء ۔ تذکرۃ الاولیاء)

حضرت بایزیدؒ بھی دوسرے بزرگوں کی طرح اپنی کرامتیں دیکھ کر چنداں خوش نہ ہوتے تھے کیونکہ انہیں یہ اندیشہ لاحق ہو جاتا تھا کہ کہیں یہ آزمائش روحانی ترقی میں رکاوٹ اور استدراج کا باعث نہ بن جائے۔ چنانچہ شرح تعرف میں دریا والی کرامت بیان کی گئی ہے اور حضرت بایزیدؒ کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ آپ نے آسمان کی طرف رُخ کر کے کہا۔ "المکر! المکر!" اور لوٹ آئے۔

ادبِ پیمبرؐ حضرت بایزیدؒ نے جو کچھ پایا وہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت، اتباع اور ادب واحترام کے وسیلے سے پایا تھا۔ چنانچہ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا یہ درجہ جو آپ نے پایا ہے کس چیز کے ذریعے پایا ہے اور یہ مقام کہ جس پر آپ پہنچے ہیں کیسے پہنچے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

بچپن میں ایک رات بسطام سے باہر نکلا، چاند اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا اور ساری دنیا محوِ خواب تھی۔ بارگاہِ حق میں نگاہ کی تو اٹھارہ ہزار عالم اس کے پہلو میں ایک ذرّہ معلوم ہو رہے تھے۔ طبیعت پر عجیب سی روحانی کیفیت طاری ہو گئی اور عرض کی، بارِ الٰہا! تیری بارگاہ اتنی عظیم اور اس قدر خالی! اس قدر وسیع کائنات اور اس قدر تنہائی!!

غیب سے جواب آیا:۔

"یہ بارگاہ اس سے خالی ہے کہ جو ہمیں نہیں چاہتا۔ ناشستہ رو اس بارگاہ کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں؟"

دل میں خیال آیا کہ دریائے رحمت جوش میں ہے۔ ہم کلامی کا شرف میسّر ہے اور اس سے بہتر کیا موقع ہو گا کیوں نہ ساری مخلوق کی بخشش کے لئے عرض کر دوں۔ دفعتاً خیال آیا کہ مقامِ شفاعت تو شافعِ روزِ جزا حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مختص ہے۔ پس رسول اللہؐ کے ادب کی وجہ سے خاموش رہا۔

پردۂ غیب سے آواز آئی:

"اس ایک ادب کی وجہ سے کہ جس کا تم نے لحاظ رکھا ہے۔ ہم نے تمہارا نام بلند کر دیا ہے چنانچہ اب تمہیں قیامت تک لوگ "سلطان العارفین بایزیدؒ" کے نام سے یاد کرتے رہیں گے"۔

(تذکرۃ الاولیا)

امام ابو نصر قشیریؒ کے سامنے حضرت بایزیدؒ کا یہ واقعہ بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: بھذہ الھمۃ نال ما نال

ترجمہ: حضرت بایزیدؒ نے جو کچھ پایا وہ اسی ہمت (ادب پیمبرا) کے ذریعے پایا۔

؎ داد جملہ داد ایمان بایزید
آفرین ہا بر چنیں شیر فرید

(مولانا رومؒ)

بعض باتیں اور اُن کی حقیقت

حضرت بایزیدؒ کے بارے میں بعض باتیں بیان کی جاتی ہیں کہ جو شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ محض ان سے منسوب کر دی گئی ہیں۔ درحقیقت انہوں نے یہ کہی ہی نہیں۔ یہ باتیں کچھ تو نادان مریدوں نے اپنے شیخ کے اضافہ

فضیلت کے لئے گھڑلیں اور زیادہ تر بدطینت دشمنوں کی کارستانی ہے کہ جنہیں حضرت بایزیدؒ کی عظمت و شہرت کھٹکتی تھی۔ چنانچہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت بایزیدؒ پر بہت زیادہ جھوٹ باندھے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک معراج والا واقعہ ہے۔ (نفحات الانس۔ سفینۃ الاولیاء)

بعض باتیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی تاویل کی جا سکتی ہے اور روحانی بصیرت سے کام لینے والے اُن کے معانی سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں یہ امر ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ بعض اوقات الفاظ، معانی کی وسعت کا ساتھ نہیں دے سکتے لہٰذا معرفت اور وارداتِ روحانی کے اظہار و بیان کے لیے الفاظ کی تنگ دامانی اُلجھن کا باعث بن جاتی ہے۔ بعض باتیں ایسی ہیں جن کو وہ شخص تو سمجھ سکتا ہے کہ جو اس روحانی واردات سے گزر رہا ہو مگر دوسرے لوگ انہیں سمجھنے کے قابل نہیں ہوتے۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت بایزیدؒ کا حقائق و معارف بیان کرنے میں اپنا مخصوص انداز ہے جب تک اس انداز سے آگاہی نہ ہو، بات سمجھنے میں مغالطہ ہو جانے کا امکان ہے۔ آپ کا انداز کچھ اس طرح کا ہے کہ پہلا جملہ چونکا دینے والا ہوتا ہے لیکن جب آپ آگے وضاحت کرتے ہیں تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ظاہر پرست علماء پہلے جملے کو سن کر چونک اُٹھتے ہیں لیکن دوسرے جملے سُن کر شرمندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان لوگوں کی علمی بے بضاعتی ظاہر ہو جاتی ہے۔

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اصحابِ طریقت سے غلبۂ سکر میں زبان سے نکل جاتی ہیں، ان کی حیثیت شطحیات کی ہے اور وہ قطعاً قابلِ اعتنا نہیں۔ اگرچہ ان سے کہنے والے کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم وہ ہمارے لئے سکوت کے مقتضی ہیں اور یہی احتیاط کی راہ ہے۔

بہرحال ایسے تمام حالات میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کہ جو خود اتباعِ شریعت میں اپنی مثال آپ تھے، کا یہ زرّیں مشورہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

"مسلمانی اور مہربانی کا طریق یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جو بظاہر علوم شرعیہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے کون ہے۔ اگر ملحد و زندیق ہو تو اس کا رد کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے اور اگر اس بات کا کہنے والا مسلمان ہو اور خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیے اور اس قول کے واسطے محملِ صحیح پیدا کرنا چاہیے یا اس کے کہنے والے سے اس کا مطلب حل کرنا چاہیے۔ اگر وہ خود اس کے حل کرنے میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے اور نرمی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہیے"۔ (مکتوبات شریف)

۲۔ خلقِ خدا پر شفقت

صوفیاء کرام حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیتے رہے ہیں جبکہ طبقۂ زہاد کے اکثر افراد عموماً اس خوبی سے تہی داماں ہوتے ہیں حالانکہ خدا سے محبت کا تقاضا ہی یہی ہے کہ اس کی مخلوق سے ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔ حضرت بایزیدؒ اس معاملے میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔ حسب ذیل واقعہ اس پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے۔

یہودی ہمسائے کے ساتھ ہمدردی

حضرت بایزیدؒ کا ایک یہودی ہمسایہ تھا اور وہ کہیں سفر پر چلا گیا۔ اسی دوران میں اس کے ہاں بچّہ پیدا ہوا۔ بیوی کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے

کہ وہ چراغ تک جلا سکے۔ وہ بڑی کس مپرسی کی حالت میں تھی اور بچہ تاریکی کے سبب سے روتا رہتا تھا۔ حضرت بایزیدؒ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو وہ ہر روز کسی دوکان سے تیل لاتے اور اس کے گھر پہنچا آتے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ یہودی اپنے گھر آیا تو اس کی بیوی نے حضرت بایزیدؒ کے حسنِ سلوک کی تمام کیفیت بیان کی۔ وہ یہودی بڑا متاثر ہُوا اور آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اے شیخ! آپ نے بڑی مہربانی فرمائی ہے، میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

آپ نے جواب دیا:

"یہ تو کوئی بات ہی نہیں۔ ہمسائیگی کا حق تو بہت بڑا ہے۔" بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ وہ یہودی اپنی بیوی کے ساتھ فوراً مسلمان ہو گیا۔" (افضل الفوائد۔ تذکرۃ الاولیاء)

جانوروں پر شفقت

ایک اور واقعہ بھی حضرت بایزیدؒ کی خدا ترسی اور مخلوق خدا پر بے پایاں شفقت کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ ہمدان سے قرطم کے کچھ دانے خریدے اور ان کو استعمال کیا لیکن کچھ دانے بچ گئے جو آپ نے کسی کپڑے میں باندھ لیے اور بسطام روانہ ہو گئے۔ بسطام پہنچ کر معلوم ہُوا کہ ان دانوں میں دو چیونٹیاں آ گئی ہیں۔ احساس ہُوا کہ ان کو ناحق تکلیف دی اور وطن سے بے وطن کیا فوراً واپس ہمدان تشریف لے گئے اور چیونٹیوں کو اپنی جگہ پر جا چھوڑا، حالانکہ ہمدان اور بسطام کے درمیان کافی مسافت ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

ساری مخلوق کے لئے ہمدردی کا جذبہ

شیخ فریدالدین عطار مندرجہ بالا واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"شاید ہی کوئی شخص تعظیم لِاَمرِ اللّٰہ اور خلق خدا پر شفقت میں

اس حد تک پہنچا ہو۔"

درحقیقت جس شخص کے دل میں احکامِ الٰہی کی عزت ہوتی ہے، وہی شخص اللہ کی مخلوق پر شفقت کا برتاؤ کیا کرتا ہے۔

آپ کی انسان دوستی اور ایثار و شفقت کا یہ عالم تھا کہ کہا کرتے تھے :۔

"اگر خداوند تعالیٰ تمام خلقت کے عوض مجھے دوزخ میں ڈال دے تو کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاؤں گا۔"

آپ اپنے مریدوں سے بھی کہا کرتے تھے :۔

"میرا مرید تو وہ ہے کہ جو گنہگاروں کو عذابِ جہنم سے بچانے کے لیے کوشاں ہو۔"

اچھے بُرے سب کے لیے شفقت کے ضمن میں حضرت بایزیدؒ کا یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک بار آپ ایک دریا کے کنارے پر بیٹھے تھے کہ ایک بچھو کو پانی میں ڈبکیاں کھاتے دیکھا۔ آپ نے اُسے پانی سے باہر نکالا تو اُس نے ڈنگ مار دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر پانی میں جا پڑا۔ آپ نے پھر نکال دیا، اس بار بھی اس نے ڈنگ مار دیا۔ تین چار بار ایسا ہی ہُوا، آپ اُسے نکالتے اور وہ ڈنگ مار دیتا۔ ایک شخص جو یہ سارا معاملہ دیکھ رہا تھا بول اُٹھا۔ "آپ بھی عجیب ہیں کہ وہ ڈنگ مارے جا رہا ہے اور آپ اُسے نکالنے سے باز نہیں آتے۔" فرمایا جب وہ بُرائی سے باز نہیں آتا تو میں نیکی کرنے سے کیوں باز رہوں۔"

۷۔ مسندِ رشد و ہدایت پر

حضرت بایزیدؒ نے درد مند دل پایا تھا کہ جو بنی نوع انسان کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھوں میں گرتے پڑتے دیکھ کر تڑپ اُٹھتا تھا۔ چنانچہ آپ تجری

دل سوزی سے انہیں تبلیغ کرتے اور ہلاکت سے بچانے اور راہِ راست پر لگا دینے کی کوشش کرتے تھے۔

موثر تبلیغ کی شرائط تبلیغ بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر موثر نہیں ہوتی۔ اس کی بڑی وجہ اس تبلیغ کا حکمت اور دل سوزی سے خالی ہونا ہے۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض نیک اور صالح والدین کی اپنی اولاد بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اس بگاڑ کی ساری ذمہ داری اولاد پر نہیں ڈالی جا سکتی کیونکہ اس میں کسی قدر ہاتھ والدین کے طرزِ عمل کا بھی ہوتا ہے جس طرح حد سے زیادہ لاڈ اور پیار بچوں کو بگاڑنے کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح ناروا سختی بھی اچھے نتائج کبھی نہیں پیدا کرتی۔ بعض اوقات والدین یوں تو عابد و زاہد ہوتے ہیں لیکن تقویٰ سے محروم اور حقوق العباد سے سراسر غافل ہوتے ہیں۔ جب اولاد اپنے والدین کی زندگی کے اس تضاد اور دورنگی کو دیکھتی ہے تو اس کا ردِ عمل نہایت ہی ردّی ہوتا ہے۔ مزید براں وہ اولاد کو سمجھانے کے لیے شفقت و محبّت اور نفسیات و حکمتِ عملی سے کام نہیں لیتے۔ چنانچہ سختی سے جس قدر وہ سمجھاتے ہیں، وہ اولاد اتنی زیادہ خراب ہوتی جاتی ہے۔

صوفیاءِ کرام کے ہاں تبلیغ کے طریق کار میں شفقت و محبت اور حکمت و تدبّر کو زیادہ دخل تھا۔ جو کچھ وہ کہتے تھے اس سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے تھے بلکہ ان کی تبلیغ و ارشاد میں ان کے قال سے زیادہ ان کے حال کا حصہ تھا۔ وہ بزرگ گناہ سے نفرت کرتے تھے لیکن گنہگاروں سے ان کو محبّت تھی۔ اسی محبّت کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ وہ گنہگار گناہوں سے بیزار ہو جاتے تھے اور توبہ و انابت کے ذریعے سے راہِ راست پر آجاتے تھے۔

ادبار کی شب تاریک میں امید کے روشن چراغ بلاشبہ تبلیغ وارشاد کے وہی طریقے موثر ہیں کہ جو صوفیائے کرام نے اختیار کیے ہیں کہ جن کی بدولت مسلمانوں کے سیاسی ادبار کے دور میں بھی اسلام کی اشاعت ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ غیر مسلم فاتح اپنے محکوم مسلمانوں کا مذہب قبول کرنے پر مجبور ہوئے اور جو لوگ پہلے اسلام کو مٹانے کے لیے کوشاں تھے وہ اس کی حفاظت کرنے میں لگ گئے اور اس خدمت کو اپنی سعادت سمجھنے لگے۔[1]

ہے عیاں آج بھی تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہی لوگ اور بلاشبہ یہی صوفیہ بجا طور پر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کے لیے روشن چراغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ جو اسلام کے لیے سرمایۂ فخر ہیں کہ جو نکبت وادبار کے دور میں حصارِ آخریں ثابت ہوئے۔ یہ وہ بزرگ تھے کہ جنہوں نے اگرچہ ملک تو فتح نہیں کیے مگر حسنِ اخلاق سے دلوں کی اقلیموں کو ضرور فتح کیا ہے اور معاشرہ کے بگڑے ہوئے افراد کو سنوار کر صالح افراد میں تبدیل کر دیا۔

باں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلام ما برسانید، ہر کجا ہستند

حضرت بایزیدؒ اور تبلیغ۔ حضرت بایزیدؒ اکابر صوفیہ میں سے تھے اور ان کی تبلیغ

---

[1] یاد رہے حضرت بایزیدؒ کا مزار بھی ایک تاتاری حکمران نے تعمیر کرایا ہے۔ تاتاریوں نے چونکہ اسلام صوفیائے کرام کی بدولت قبول کیا تھا اس لیے وہ سب صوفیا اور مشائخ سے حسنِ اعتقاد رکھنے لگے۔

کا اندازہ وہی تھا کہ جو صوفیاء کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی تبلیغ بڑی موثر ہوتی تھی۔ لوگ آتے تھے اور اپنے گناہوں سے توبہ تائب ہو جاتے تھے۔ بڑے بڑے ڈاکو جو غارت گری میں بدنام تھے آپ کی تبلیغ کے طفیل راہ راست پر آ گئے آپ کے دست حق پرست پر ایسے لوگوں نے بھی توبہ کی سعادت حاصل کی کہ جو مُردوں کے کفن چرا لینے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ ایک بار ایک ایسے شخص کو آپ نے نصیحت کی اور قناعت اور اکل حلال کی تلقین کی کہ جو کم و بیش ایک ہزار کفن چرانے کا مرتکب ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اس حرکت سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی اور نیک بن گیا۔ کئی غیر مسلم بھی آپ کے حسنِ اخلاق سے مسلمان ہو گئے جیسا کہ ایک یہودی خاندان کے اسلام لانے کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

تبلیغ کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ

حضرت بایزیدؒ کی تبلیغ کا ایک اہم واقعہ تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ تذکرہ نگار بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت بسطامیؒ جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک نوجوان ملا جو نشے میں مست تھا اور بربط بجاتا اور گاتا ہوا آ رہا تھا۔ آپ اس کے ساتھ ہو لئے اور بڑی شفقت کے ساتھ اسے نصیحت کرنے لگے۔

"بیٹا! یہ زندگی لہو و لعب کے لیے تو نہیں۔ یہ جوانی اگر خدا کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت میں صرف ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا!

افسوس! یہ توانائی بے کار کاموں اور گانے بجانے میں خرچ ہو رہی ہے....."

جوان بدمست تھا، وہ غصے میں آ گیا اور اس نے بربط آپ کے سر پر دے

مارا۔ بربط ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آپ کا سر مبارک بھی زخمی ہو گیا۔

حضرت گھر پہنچے تو احساس ہُوا کہ اس کا بربط ٹوٹ گیا ہے۔ اس کا دل ضرور دُکھا ہو گا۔ فوراً ایک آدمی کو بازار بھیجا اور بربط کی قیمت دریافت کرائی۔ دوسرے دن آپ اس حالت میں اس شخص کے گھر تشریف لے گئے کہ سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے چہرہ زرد تھا، سر پر ایک برتن تھا، جس میں کچھ حلوا تھا اور ایک ہاتھ میں کچھ رقم تھی ......

مکان پر پہنچے تو سلام کے بعد معذرت کرنے لگے:

"میرے بھائی! مجھے افسوس ہے کہ کل میرے مُنہ سے شاید کوئی سخت بات نکل گئی کہ تمہیں غصّہ آ گیا اور تمہارا بربط ٹوٹ گیا۔ یہ لو اس کی قیمت حاضر ہے۔ ہاں تو غم و غصّے کی وجہ سے تمہارا حلق بھی تو خشک ہو گیا ہو گا۔ یہ تھوڑا سا حلوا لایا ہوں، اسے کھا لو شاید تمہاری تلخ کامی کچھ دُور ہو جائے ......"

اس جوان نے جب یہ شفقت اور حسنِ اخلاق دیکھا تو اپنے کئے پر بڑا نادم ہُوا، پاؤں پڑ کر معافی مانگی اور لہو و لعب سے ہمیشہ کے لیے تائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کئی اور جوانوں نے بھی توبہ کر لی"۔ (تذکرۃ الاولیا۔ افضل الفوائد)

اے کاش! ایسے بزرگ ہمارے درمیان بھی موجود ہوتے!

جانے وہ لوگ کہاں کھو گئے کہ جن کی بات بات سے شفقت و خلوص ٹپکتے تھے، جو اخلاق کے پیکر اور ایسے کوہ وقار تھے کہ پہاڑ بھی ان کے صبر و تحمّل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

۸۔ عجز و انکساری

حضرت بایزیدؒ اگرچہ بہت بڑے عابد و زاہد تھے اور عوام و خواص میں انہیں

بے پناہ مقبولیت حاصل تھی لیکن اس کے باوجود ان میں غرور نام کو بھی نہیں تھا۔ حالانکہ اہل ظاہر تھوڑی سی عبادت کر لیں تو ان میں غرور آجاتا ہے اور معمولی سی مقبولیت ہو جائے تو اترانے لگتے ہیں۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ نے حضرت بایزیدؒ کی انکساری کی ایک حکایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک دفعہ (بسطام میں) مدت تک بارش نہ ہوئی لوگ نمازِ استسقا کے لئے صحرا میں گئے اور نماز ادا کی، لیکن بارش پھر بھی نہ ہوئی۔ اس پر کچھ لوگ کہنے لگے کہ بُرے آدمیوں کی شامتِ اعمال کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی۔ آپؒ نے سُنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے آپ سے شہر چھوڑنے کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے:۔

"سب سے بُرا تو میں ہی ہوں، اس لیے اس جگہ سے چلا جاتا ہوں تاکہ لوگ میری شامتِ اعمال کی وجہ سے بارانِ رحمت سے تو محروم نہ رہیں"۔

بالآخر لوگ گئے اور منتیں کر کے اور مجبور کر کے آپ کو واپس شہر میں لے آئے۔ (نافع السالکین)

۹۔ دیارِ حبیب میں!

حج بیت اللہ سیاحت کے دوران حضرت بایزیدؒ غالباً خراسان میں تھے کہ حج کا ارادہ کیا۔ زادِ راہ تقویٰ ساتھ لیا اور سفر کا آغاز کر دیا۔ عاشق، درِ محبوب تک سر کے بل چل کر جانے کا دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ کوئی اور کوچہ جاناں میں سر کے بل چل کر گیا ہو یا نہ گیا ہو، بایزیدؒ ضرور گئے ہیں۔ صاحبِ تذکرۃ الاولیاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ جب حج کے لیے گئے

ہیں تو ہر مصلیٰ گاہ پر سجدہ گاہ نکالتے اور دو رکعت نماز نفل ادا کرتے اور اس طرح قدم قدم پر سجدے کرتے بارہ سال میں خانۂ خدا تک پہنچے۔ جاتے ہوئے یہ کہتے جاتے۔

"یہ دنیا کے کسی بادشاہ کی چوکھٹ نہیں ہے کہ اس جگہ ایک بار دوڑتے ہوئے پہنچ جائیں۔"

یعنی دیارِ حبیب میں جانے کے لیے قدم قدم پر احترام بجا لانا چاہیے۔ میر تقی میر کا یہ شعر حضرت بایزیدؒ پر کتنا صادق آتا ہے!

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کی اُور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

خانۂ خدا میں کیا کچھ دیکھا؟ اس کے بارے میں حضرت سید علی ہجویریؒ، کشف المحجوب میں حضرت بایزیدؒ کا ایک قول نقل کر کے انکشاف کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے فرمایا:۔

"پہلی بار جب میں زیارتِ کعبہ سے مشرف ہوا تو وہاں میں نے گھر کو تو خوب اچھی طرح دیکھا لیکن گھر والا نظر نہیں آیا۔ پس میں نے سمجھا کہ میرا حج ابھی قبول نہیں ہوا۔ دوسری دفعہ مکہ معظمہ گیا تو گھر بھی دیکھا اور گھر والا بھی۔ تیسری دفعہ حج پر گیا تو گھر والے کا خوب مشاہدہ کیا اور گھر کہیں دکھائی نہیں دیا۔"

زیارتِ مدینہ منورہ مدینہ کہ جسے محبوب خداؐ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، ایک ایسی پاک سرزمین ہے کہ جس سے عقیدت و محبت ہر مسلمان کے دل میں رچی بسی ہوئی ہے بلکہ یہ مقام اہل جذب و یقین کے لیے تو قبلہ کا درجہ رکھتا ہے کہ جس کا ذرہ ذرہ ادب و احترام کا متقاضی

ہے اور وہ خاص جگہ جہاں جسدِ مبارک مدفون ہے وہ تو ان کے ہاں ہمدوش عرشِ بریں ہے۔

سے
ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جُنید و بایزید ایں جا

ایک مسلمان جب مکّہ میں فریضۂ حج ادا کرتا ہے اور جلالِ خداوندی کی جلوہ تابانیوں کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو یہی جذبۂ محبّت اسے کشاں کشاں مدینے لے جاتا ہے کہ جہاں جمالِ محمدی کی ایمان افروز نشانیاں ہیں۔

زیارتِ مکّہ کے ساتھ زیارتِ مدینہ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن عشق کی دنیا کا دستور ہی اور کچھ ہے۔ حضرت بایزیدؒ عاشقِ رسول تھے اور عاشقوں کے انداز ہمیشہ نرالے ہوتے ہیں۔

ع
وللناس فیما یعشقون مذاھب

حضرت بایزیدؒ کی طبیعت نے مناسب نہیں سمجھا کہ حج کے ساتھ ہی زیارتِ مدینہ سے فراغت حاصل کر لی جائے، چنانچہ انہوں نے جب حج کیا تو مدینہ منوّرہ نہیں گئے اور کہنے لگے۔

"یہ ادب نہیں کہ زیارتِ مدینہ کو زیارتِ مکّہ کے ماتحت رکھ دیا جائے۔"

اگلے سال دیارِ رسولؐ کے لیے الگ خراسان سے رختِ سفر باندھا۔ روضۂ رسولؐ پر حاضری دی۔ آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر درود و سلام کے پاکیزہ الفاظ۔ دیر تک روتے رہے اور سلام پڑھتے رہے..................اتنے میں اونگھ سی آگئی۔ دیکھا تو نظروں کے سامنے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور فرما رہے تھے۔

"بایزیدؒ! اُٹھو اور اپنی ماں کی خدمت جا کرو۔"

۱۰۔ وطن — بسطام کی طرف

صاحبِ تذکرۃ الاولیاء رقمطراز ہیں کہ زیارتِ مدینہ سے فارغ ہو کر آپ عازمِ بسطام ہوئے۔ بڑی تیزی سے سفر کر رہے تھے مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے آپ کی شہرت بسطام میں پہنچ چکی تھی چنانچہ کافی تعداد میں لوگ آپ کے استقبال کے لئے آئے۔

ملامتیہ انداز آپ نے حدِ نگاہ تک لوگوں کو استقبال کے لئے موجود پایا تو نفس کسی قدر خوش ہونے لگا فوراً اپنی آستین سے ایک روٹی نکالی اور کھانی شروع کر دی چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور افطار کا وقت نہیں تھا، اس لیے لوگ بدظن ہو کر چل دیئے۔ صرف چند مخلص ارادت مند رہ گئے۔ حضرت بایزیدؒ بہت خوش ہوئے کہ لوگوں کے ہجوم سے نجات ملی کہ جو ذکر و عبادت میں مخل ہوتا اور اپنے نفس سے کہنے لگے:۔

"یہ تمہارے غرور کی سزا ہے۔"

پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"لوگ کس قدر ظاہر بیں ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسافر پر روزہ فرض نہیں ہے۔"

۱۱۔ مادرِ مہرباں کی خدمت میں

تذکرۃ الاولیاء میں تحریر ہے کہ آپ دن بھر شہر سے باہر ٹھہرے رہے اور آدھی رات کو اپنے شہر میں داخل ہوئے۔ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو رات

آدھی ڈھل چکی تھی۔ ان کی ماں وضو کر کے مناجات میں مشغول ہوا چاہتی تھی دروازے سے کان لگا کر سُنا تو آہستہ آہستہ آواز آ رہی تھی۔

"بارِ الٰہا! میرے پردیس گئے بیٹے کو نیک بنا اور اسے خیر و عافیت کے ساتھ رکھ۔ پالنے والے! بزرگوں کے دل اس سے خوش کر دے اور اپنی مہربانی سے اس کے حالات کو خوب سے خوب تر بنا دے....."

حضرت بایزیدؒ نے اپنی ماں کے یہ دعائیہ الفاظ سُنے تو آبدیدہ ہو گئے۔ قریب قریب تئیس سال کے بعد گھر میں قدم رکھنے اور ماں سے ملنے کا موقعہ مل رہا تھا۔

لرزتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ دروازے پر دستک دی۔ ماں نے پوچھا۔

"کون ہو؟" جواب دیا، "تمہارا پردیسی بیٹا!"

ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے بلکہ آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ روتی ہوئی آئیں اور دروازے کو کھولا۔ ان کی آنکھیں خراب ہو چکی تھیں مدّت سے بچھڑے ہوئے بیٹے کو گلے سے لگایا اور رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگیں:!

"اے طیفور! جانتے ہو کہ میری آنکھیں کیوں خراب ہو گئیں؟
صرف اس وجہ سے کہ تمہاری جدائی کے غم میں روتی رہی ہوں
اور اس قدر تمہارا غم کھایا ہے کہ کمر دوہری ہو گئی ہے!"

ماں کی خدمت میں معرفت

حضرت بایزیدؒ اس کے بعد گھر میں مقیم رہے اور ماں کی خدمت میں سرگرم رہے۔ ماں کی خدمت بلاشبہ عبادت ہے اور فرمانِ رسولؐ کے مطابق بہشت۔ ماں کے

قدموں تلے ہے لہٰذا ماں ہی کی خدمت کے ذریعے معرفت اور نجاتِ اُخروی حاصل کی جا سکتی ہے۔

حضرت بایزیدؒ خود فرماتے ہیں:۔

"جس کام کو میں تمام کاموں کے بعد کا کام سمجھتا تھا، درحقیقت اسے سب پر اوّلیت حاصل تھی اور وہ ماں کی خدمت اور رضا جوئی تھی۔"

مزید ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں اپنی تمام ریاضتوں، مجاہدوں، خدمت اور پردیس میں تلاش کرتا رہا وہ سب کچھ ماں کی خدمت میں مجھے مل گیا۔

واقعہ یوں ہوا کہ ایک رات والدہ نے مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں نے پانی تلاش کیا۔ صراحی میں دیکھا تو پانی نہیں تھا، گھڑے کے پاس گیا تو اس میں بھی پانی موجود نہیں تھا، لہٰذا دوڑتا ہوا ندی پر گیا اور وہاں سے پانی لے آیا۔ جب واپس پہنچا تو ماں کو نیند آ گئی تھی۔ ساری رات لوٹا ہاتھ پر رکھ کر پاس کھڑا رہا حالانکہ رات بڑی سرد تھی۔ جاگیں تو پانی پیا اور جب دیکھا کہ لوٹا میرے ہاتھ پر رکھا ہوا ہے اور وہ ٹھٹھر گیا ہے تو کہنے لگیں "تم نے اسے ہاتھ سے رکھ کیوں نہ دیا؟"

میں نے جواب دیا "اس اندیشے کے پیشِ نظر اسے نہیں رکھا کہ کہیں آپ بیدار ہوں اور میں حاضر نہ ہوں۔"

ماں کو یہ بات معلوم ہوئی تو مجھے بہت بہت دعائیں دیں اور بلا شبہ جو کچھ مجھے ملا ہے، اسی خدمت اور انہی دعاؤں کے صدقے میں ملا ہے اس کے بعد ماں نے مجھے حکم دیا کہ آدھا دروازہ کھول دوں، میں صبح تک جاگتا رہا۔ کہ کہیں دروازہ آدھے کی بجائے سارا بند یا کھلا نہ ہو جائے اور ان کے حکم

کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اس طرح میں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی اور سحر کے وقت وہ سب کچھ پالیا جو کچھ میں مدتوں سے تلاش کرتا پھرتا تھا۔

۱۲۔ جرمِ محبت کی سزا

قیام بسطام کے دوران، حریم کبریا کے رازدار، حضرت بایزیدؒ نے علم و معرفت، جذب و یقین اور عشق و مستی کی باتیں کرنا شروع کر دیں جو اس ماحول میں کہ جہاں معروف، منکر بن چکا تھا اور منکر، معروف کا درجہ اختیار کرتا جا رہا تھا، کسی اور دنیا کی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ جب آپ لوگوں کو غیر اللہ سے ترک تعلق کر کے اللہ سے لو لگانے کی تلقین کرتے، عقل کی بجائے عشق کو مرشد و رہنما بنانے کے لئے کہتے اور ظاہر داری کو چھوڑ کر تزکیۂ باطن پر زور دیتے تو ظاہر پرست اور حقیقت نا آشنا علماء جو ان باتوں کی تہ کو نہ پہنچ پاتے وہ زبانِ اعتراض دراز کرنے لگتے۔ مزید برآں حضرت بایزیدؒ کی مقبولیت بھی انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کے درپئے آزار ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بادۂ الست کے سرمستِ ازلی کی بعض باتوں کو بھی جو کبھی کبھی غلبۂ سکر میں زبان سے نکل جاتی تھیں، بہانہ بنا لیا ہو۔ بہرحال ظاہر پرست علماء اور جاہ پسند امرا نے آپ کو طرح طرح سے ستایا اور کئی بار شہر سے نکال باہر کیا حالانکہ آپؒ کا جرم، جرمِ بے گناہی اور عشقِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

بقول شاعر ؎

خونی نہ کردہ ایم و کسی را نہ کشتہ ایم
جرمم ہمیں کہ عاشق روئے نوگشتہ ایم

ترجمہ: ہم نے کوئی خون نہیں کیا اور نہ کسی کو قتل کیا ہے۔ ہمارا

جرم بس یہی ہے کہ تیرے رُخِ زیبا کے عاشق ہوئے ہیں۔

جلاوطنی و شہر بدری

امام شعرانیؒ طبقات کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت بایزیدؒ کو لوگوں نے سات مرتبہ اپنے شہر سے نکال دیا۔ کیونکہ جب آپ سفر سے بسطام واپس آئے اور ایسے علوم میں گفتگو کی جن سے اُس شہر کے لوگ ناآشنا محض تھے یعنی انبیاء اور اولیاء کے مقامات وغیرہ ۔ تو حسین بن علیٰی بسطامی نے جو اس نواح کا امام اور علوم ظاہری کا مدرس تھا۔ مخالفت میں سرگرمی دکھائی اور آپ کو شہر بسطام سے نکال دینے کا حکم دیا چنانچہ آپ کو نکال دیا گیا۔ جب تک حسین بن علیٰی زندہ رہا۔ آپ نے بسطام میں قدم نہیں رکھا۔ اس کی وفات کے بعد آپ اپنے شہر میں واپس آئے اور لوگ آپ کی تعظیم کرنے اور برکت حاصل کرنے لگے لیکن یہ صورتِ حالات وقتاً فوقتاً بدلتی رہی۔ ایک منکر کی جگہ دوسرا کھڑا ہو جاتا اور آپ شہر سے نکالے جاتے رہے۔ آخرالامر لوگوں کا عقیدہ ان کی نسبت پختہ ہُوا اور اب اس وقت تک لوگ ان کی تعظیم کرتے اور ان کی ہستی کو سراپا برکت سمجھتے ہیں۔

شیخ عطارؒ تذکرۃ الاولیاء میں مزید بتاتے ہیں کہ

ایک بار جب آپ کو شہر بدر کیا جا رہا تھا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا:

"مجھے کس لئے شہر سے نکالا جا رہا ہے؟"

لوگوں نے جواب دیا: "اس وجہ سے کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو۔"

آپؒ نے یہ جواب سُنا تو شہر پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا:

"کتنا اچھا ہے وہ شہر کہ جس کا بُرا آدمی میں ہوں!"

۱۳۔ حضرت بایزیدؒ کا سیاسی و مذہبی پس منظر اور ان کا کارنامۂ عظیم

حضرت بایزیدؒ نے جب ہوش سنبھالا اور روحانی مراحل طے کرنے شروع کئے اور گرد وپیش پر نگاہ ڈالی تو ملّتِ اسلامیہ کو ایک بڑی آزمائش سے دوچار پایا۔ دنیاداری، ظاہرداری اور عقل پرستی بری طرح مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھی یقین کی جگہ تذبذب، سادگی کی جگہ تکلّف، سنّت کی جگہ بدعت اور ایمان و اعتقاد کی جگہ شکوک و شبہات جنم لے چکے تھے۔ قیصر روم کی بھجوائی ہوئی کتابیں اپنا رنگ لا رہی تھیں۔ یہ انہی علوم و فنون کے برگ و بار ہی تھے جو شجرِ اسلام پر اکاس بیل کی طرح چھائے جا رہے تھے۔ اعتزال اور عقل پرستی، سرکار دربار تک رسائی حاصل کر چکی تھی اور وہاں سے شہر با کمیشن کا درجہ اختیار کرتی اور فتنہ سامان بنتی جا رہی تھی۔ افسوس علمائے امت چند ایک کو چھوڑ کر عموماً دنیاداری، حق پرستی اور نفس پرستی کو اپنا شعار بنا چکے تھے اور دربار میں جگہ مل جانے کو نعمتِ عظمیٰ سمجھنے لگ گئے تھے۔ مفتی فتوٰی دینے سے پہلے امراء و خلفاء کے اشارۂ ابرو کو دیکھ لیتے تھے۔ اسلام کی تعلیمات کے چشمۂ صافی پر دنیاداری کی کدورت تہ جما چکی تھی۔ عبادات پر ظاہرداری اور سطحیت غالب آ چکی تھی۔ نمازیں تھیں مگر دکھاوے کی حج تھے تو نام و نمود کی خاطر، اذانیں تھیں تو روحِ بلالی سے خالی۔ عقل عیّار نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اختراع کر لیے تھے۔

غرض یہ کہ ہر طرف نفسانیّت ہی نفسیانیّت تھی اور خود پسندی، خود غرضی اور خواہشاتِ نفس کی پرستاری کی عملداری تھی۔ دل سوز سے خالی، حرارتِ یقین

سے محروم، عشقِ الٰہی کی لذّت سے نا آشنا، اخلاصِ عمل سے عاری اور خدا ترسی کے پاکیزہ جذبے سے تہی داماں ہوتے جا رہے تھے۔ کان تھے کہ وجدانی بول سننے کو ترس گئے تھے اور آنکھوں کو تو عشق کی جلوہ گری کا مشاہدہ کئے مدتیں ہو چکی تھیں۔

بایزید رح کا کارنامۂ عظیم

ان حالات میں ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی اہلِ دل اُٹھے جو بھٹکے ہوئے انسان کو راہِ حقیقت دکھائے، دلوں کی راہیں کھولے اور انہیں حرارتِ عشق سے گرما دے۔ عقلیّت کے غلام لوگوں کی سوچ کے زاویے بدل کر انہیں حرّیتِ فکر سے نوازے، انہیں وجدان اور عشق کی دولت عطا کرے اور اخلاص و محبّت، روحانی کیف و سرور اور انسان دوستی اور خدا ترسی کے سبق دے۔

چنانچہ بسطام کی سر زمین سے ایک اللہ والا اُٹھا جس نے عقلیت، وضعیت اور رسم پرستی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور فرزندانِ توحید کو فقرِ غیور اور عشقِ غیور کی دعوت دی اور تاریخ بتاتی ہے کہ یہ دعوت صدا بصحرا نہیں رہی بلکہ بالآخر بڑی پُر اثر ثابت ہوئی اور سکونِ قلب کے متلاشی کشاں کشاں، فقر و تصوّف کے سکون بخش نخلستانوں کا رُخ کرنے لگے۔ انہوں نے زوردار الفاظ میں عقل کی نارسائی، ماندگی اور بے چارگی کو واضح کیا کیونکہ عقل اپنی تمام تر بلند پروازیوں کے باوجود وحی اور دین کے ارفع حقائق کا کماحقہٗ ادراک نہیں کر سکتی۔ اس کی اپنی ایک حد ہے اور اس حد سے آگے یہ ہرگز نہیں بڑھ سکتی جبکہ دین کی حقیقتیں ماوراء العقل ہیں لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ماوراء العقل ہونا اور چیز ہے اور خلافِ عقل ہونا کچھ اور ہے۔ اسلام بلاشبہ دینِ فطرت ہے، وہ عقل و خرد کا مخالف نہیں لیکن عقل پرستی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتا، وہ ہمیشہ اس فکر و نظر اور تدبّر و تعقّل کی

حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ جو دینی وجدان کے زیرِ اثر ہو۔ عقل کے استعمال کی اس حد تک اجازت اور ضرورت ہے کہ اس کے ذریعے یہ معلوم کر لیا جائے کہ فلاں کام کرنے کا واقعی اللہ اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے یا فلاں کام سے روکا ہے۔ یہ عمل تدبر فی القرآن اور درایت فی الحدیث کہلاتا ہے۔ پس اگر غور و فکر اور تحقیق و تفحص کے بعد قرآن و سنّت سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم ثابت ہو جائے تو عقل اپنا فرض سرانجام دے چکی، اس کے بعد عشق کی باری ہے، اب مادی نفع و نقصان سے بلند تر ہو کر اس پر عمل پیرا ہو جانا چاہیے۔ اوامر و نواہی پر عمل کرتے وقت خواہ کتنا ہی مادّی نقصان کیوں نہ ہوتا ہو، اس کی پرواہ نہ کرنا، کسی ملامت گر کی ملامت اور کسی جابر حکمران کی سطوت کو خاطر میں نہ لانا، رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرنا اور محض رضائے الٰہی کو مطمحِ نظر بنانا عشق کہلاتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی حضرت بایزیدؒ نے اپنی زبان کے ہر قول سے اور عمل کے ہر پہلو سے ہمیں تلقین کی ہے عشق الٰہی ہی ان کی زندگی تھی، یہی ان کا سرمایۂ حیات اور یہی ان کا سبق تھا۔ آپ جو کچھ عشق کے بارے میں کہتے تھے، پورے یقین و اذعان کے ساتھ کہتے تھے۔ وجہ ظاہر ہے، عشق ان کا محض قال نہیں تھا بلکہ حال بھی تھا۔

بقول شاعر ؎

در محبّت آنچہ می گوئیم اول می کنیم
پارۂ بیش است از گفتارِ ما کردارِ ما

ترجمہ: محبّت کے بارے میں ہم جو کچھ کہتے ہیں، پہلے اس کا تجربہ کر چکے ہوتے ہیں، ہمارا عمل، ہماری گفتار سے کچھ زیادہ ہی ہے۔

انہوں نے دلوں کی ناملکی کی صحیح تشخیص کی تھی اور نہایت ہی مناسب علاج۔ عشق کے نسخۂ شفا میں پیش کیا تھا۔ یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے جس کے لئے اہلِ دل

انہیں رہتی دنیا تک خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:۔

"صوفیہ کا وہ طبقہ جو، ان حالات میں پیدا ہُوا۔ اس عقلیّت اور وضعیت سے بیزار تھا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ حضرت ذوالنون مصریؒ اور حضرت جُنید بغدادیؒ نے جو اس دورِ ثانی کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے عقلیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور "عشق" پر زور دیا کہ عقلیّت اور وضعیت کے مسموم اثرات کو عشق ہی دُور کر سکتا تھا۔

؎ سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
که در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است

ترجمہ: میں نے ولایتِ عشق سے ایک تازہ فوج تیار کی ہے
کیونکہ حرمِ پاک کو عقل کی بغاوت کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ ستاروں کی گذرگاہوں کو ڈھونڈنے کی بجائے انسان اگر اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرے تو وہ اپنی شخصی اور قومی زندگی کو شاید بہتر بنا سکے اور سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے کے بجائے اگر زندگی کی شبِ تاریک کو سحر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے بنی نوعِ انسان کو زیادہ فائدہ ہو۔ وہ مادّی ترقی جو انسان کو معبودِ حقیقی سے دُور لے جائے، ترقی نہیں، زوال ہے۔ چنانچہ ان بزرگوں نے عشق سے عقلیّت کا مقابلہ کیا اور بتایا کہ عشق ہی سے منزلِ مقصو کا پتہ چل سکتا ہے۔ ورنہ عقل تو پائے چوبیں ہے کہ دو قدم بھی اس سے نہیں چلا جا سکتا، جبکہ عشق

؎ عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفٰےؐ
عشق خدا کا رسولؐ، عشق خدا کا کلام (اقبالؒ)

اس دَور کے صوفیہ کی خصوصیات یہ ہیں :-

جس طرح گذشتہ دور کے صوفیہ نے بنی امیہ کی ملوکیت سے متاثر ہوکر "خشیت الٰہی" پر زور دیا تھا۔ اس دور کے صوفیہ نے معتزلہ اور دیگر عقلیت پسند گروہوں کی "وضعیت" سے متاثر ہوکر "عشقِ الٰہی" پر زور دیا اور خود محبت الٰہی میں سرشاری کی زندگی بسر کی۔ حضرتِ بایزیدؒ بسطامیؒ کے متعلق خواجہ فریدالدین عطارؒ لکھتے ہیں، وہ آتشِ محبت میں غرق تھے اور تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔ ان کی مناجات کا کچھ حصہ خواجہ عطارؒ نے نقل کیا ہے وہ غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ عرض کیا کرتے تھے۔

"بارِ خدا! کب تک میرے اور تیرے درمیان میں "من" اور "تو" ہوگا۔ اس "من" کو درمیان سے اُٹھالے تاکہ میرا من تجھ سے ہو اور میں کچھ نہ رہوں۔ الٰہی! جب تک میں تیرے ساتھ ہوں، سب سے زیادہ ہوں اور جب اپنے ساتھ ہوں، سب سے کم ہوں....."

"الٰہی! مجھے زُہد درکار نہیں اور نہ عالِم بننے کی ضرورت ہے۔ اگر مجھے اہلِ خیر میں سے کرنا چاہتا ہے تو اپنے دوستوں کے درجے تک پہنچادے۔"

"پالنے والے! میں تجھی سے ناز کرتا ہوں۔ الٰہی! فطرتِ دل پر تیرے الہام کیسے اچھے معلوم ہوتے ہیں!"

—— یہ مناجات نویں صدی عیسوی کے اس ماحول میں جب عقلیت ہی عقلیت کا دَور دورہ تھا ایک دوسری دنیا کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت)

غزالی، بایزیدؒ کے نقشِ قدم پر پانچویں صدی ہجری میں جب اسلام کے مشہور عالم فلسفی اور متکلم امام غزالیؒ دارالخلافہ

بغداد کی ظاہرداری عصبیت اور شور و شر سے دل برداشتہ ہو کر سکونِ قلب کی تلاش میں نکلے تو فلاسفہ متکلمین اور باطنیہ کے ہاں مداوائے غم نہ پانے کے بعد انہیں تصوّف اور طریقت کے کنجِ عافیت میں ہی پناہ ملی اور ساری پریشانیوں کا حل انہیں بھی حضرت بایزید کی طرح عشق کے نسخۂ شفا میں ملا۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت بایزیدؒ کے اقوال اور احوال سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور بعینہٖ وہی راہ اختیار کی جو حضرت بایزیدؒ تیسری صدی کے نصف اوّل میں اختیار کر چکے تھے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ المنقذ من الضلال میں رقمطراز ہیں:۔

"اب صرف تصوّف باقی رہ گیا۔ میں ہمہ تن تصوّف کی طرف متوجہ ہوا۔ تصوّف علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ میرے لیے علم کا معاملہ آسان تھا، میں نے ابوطالب مکیؒ کی قوت القلوب اور حارث محاسبیؒ کی تصنیفات اور حضرت جنیدؒ، حضرت شبلیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ وغیرہ کے ملفوظات پڑھے اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا وہ میں نے حاصل کر لیا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصل حقائق تک محض تعلیم کے ذریعے رسے نہیں بلکہ ذوق و حال اور حالات کی تبدیلی سے پہنچا جا سکتا ہے۔ جو علوم میرا سرمایہ تھے خواہ شرعی ہوں یا عقلی ان سے مجھے وجود باری، نبوّت اور معاد پر ایمان راسخ حاصل ہو چکا تھا لیکن یہ بھی کسی دلیل محض سے نہیں بلکہ اسباب و قرائن اور تجربات کی بنا پر جن کی تفصیل مشکل ہے مجھ پر یہ اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ سعادت اُخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دار فانی سے بے رغبتی، آخرت کی طرف میلان و کشش

اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعے قلب کا علاقہ، دنیا سے ٹوٹ جائے۔"

امام غزالیؒ آگے چل کر تصوّف و طریقت پر عمل کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"جو کچھ میرے پاس مال و متاع تھا۔ اس میں سے بقدر کفاف رکھ کر سب بانٹ دیا۔ بغداد سے شام آیا اور وہاں دو سال کے قریب رہا۔ وہاں میرا کام عزلت و خلوت اور مجاہدے کے سوا کچھ نہ تھا میں نے علم تصوّف سے جو کچھ حاصل کیا۔ اس کے مطابق نفس کے تزکیہ، اخلاق کی درستی و تہذیب اور ذکر الٰہی کے لئے اپنے قلب کو صفا کرنے میں مشغول رہا۔"

امام موصوفؒ کو جو کچھ ملا، وہ تصوّف و طریقت کی راہ سے ملا تھا چنانچہ اصحاب تصوّف کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مجھے جو کچھ حاصل ہوا، اس کی تفصیل اور اس کا استقصاء تو ممکن نہیں لیکن ناظرین کے نفع کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں، ان کی سیرت، بہترین سیرت، ان کا طریق، سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں ان کی تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات، مشکوٰۃ نبوت سے سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔" (تاریخ دعوت و عزیمت بذیل امام غزالی)

مولانا رومؒ اور تجدید عشق ساتویں صدی ہجری میں جب عقل پرستی اور ظاہر داری نے پیر زور پکڑا تو مولانا رومؒ منصۂ شہود پر آئے جو اپنے مرید ہندی کے الفاظ میں عشق و مستی کے قافلہ سالار تھے۔

پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر (اقبالؒ)

انہوں نے حضرت بایزیدؒ کی دعوتِ عشق کے احیاء و تجدید کی کوشش کی اور وہی سبق دہرایا کہ جو تیسری صدی میں دے چکے تھے۔

مولانا رومؒ کی نگاہ میں بھی عشق ہی تمام روحانی عوارض کے لیے اکسیر پر تاثیر تھا۔ انہوں نے عشق کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے کہ افلاطون و جالینوسِ ما

علامہ اقبالؒ اور درسِ عشق چودھویں صدی میں مغربی تہذیب و اشتراکی فلسفۂ حیات کے زیر اثر مادیت اور عقلیت کو غلبہ حاصل ہوا اور روحانی اقدار نظر انداز ہونے لگیں تو پیر رومیؒ کے مرید ہندی عاشقِ رسولؐ علامہ اقبالؒ نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح عقل کے مقابلے میں عشق پر زور دیا کیونکہ عشق ہی عمل صالح کا محرک ہے اور سکونِ قلب، انسانیت اور ارتقائے روحانیت کا باعث ہے، انہوں نے مسلمانوں کو یاد دلایا۔

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰ!
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

انہوں نے عصرِ حاضر کے نوجوانوں کو دردمندی کے ساتھ نصیحت کرتے ہوئے پیر کاملِ داں پیر رومی کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔

پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

۱۴۔ دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف

زندگی کے آخری ایام ماہ و سال اور دن رات گزرتے چلے گئے اور وہ دن قریب آ گئے جبکہ قافلہ سالارِ عشق حضرت بایزیدؒ اپنے ارادت مندوں کو سوگوار چھوڑ کر راہیٔ ملکِ بقا ہونے والے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ اپنا زیادہ وقت دعا و مناجات اور ذکرِ الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ کچھ فرصت میسر آتی تو رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا طبیعت میں سوز و گداز پہلے سے ہی تھا لیکن ان دنوں تو یہ کچھ اور بھی فزوں ہو گیا تھا۔ دل سے بات نکلتی اور دلوں میں گھر کرتی جاتی۔ روحانیت کا یہ سدرہ نشین، بسطام میں بلبلِ ہزار داستان کی طرح بیٹھا آخری روحانی بول، بول کر اُڑ جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ ان دنوں نصیحت میں وہی انداز ہوتا تھا کہ جیسے کوئی بچھڑنے والا، اپنے پسماندگان کو وصیت کر رہا ہو۔

توبۂ آخریں حضرت بایزیدؒ چاہتے تھے کہ جب وہ اپنے مالکِ حقیقی کے حضور میں پیش ہوں تو ان کے نامۂ اعمال میں کسی معمولی سی لغزش کا بھی دھبہ نہ ہو۔ اور یہ دھبے کیسے دھل سکتے ہیں؟

صرف توبہ و استغفار سے!

چنانچہ انہوں نے آخری ایام میں ایک ناقابلِ فراموش توبہ کی۔ ایسی توبہ کہ

جس پر برسوں کی طاعتیں اور عبادتیں قربان کی جاسکتی ہیں اور اگر اسے گنا ہگاروں پر تقسیم کر دیا جائے تو ہزاروں کی بخشش کا سامان بن جائے۔

شیخ فریدالدین عطارؒ تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں:

"منقول ہے کہ حضرت بایزیدؒ نے ستر بار بارگاہِ خداوندی میں قرب کا شرف حاصل کیا ہر بار جب واپس آئے تو اپنی پشت پر زُنّار دیکھتے۔ چنانچہ اُسے توڑ دیتے۔ جب زندگی کے آخری دن آئے اور پیمانۂ عمر لبریز ہونے کو ہوا تو ایک روز محراب میں اس حالت میں داخل ہوئے کہ پیٹھ پر زُنّار تھا اور پوستین پہنے ہوئے تھے۔ کلاہ سر پر رکھا اور یوں مناجات کرنے لگے۔

بار الٰہا! ساری عمر کی ریاضتوں کو بیچنے نہیں آیا۔ رات رات بھر کی نمازیں پیش نہیں کرتا، عمر بھر کے روزوں کا تذکرہ نہیں کرتا، ختم ہائے قرآن نہیں گنواتا اور نہ مناجات اور تقرب کے اوقات یاد دلاتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں عبادت کا جو حق تھا، اسے ادا نہیں کر سکا۔ نادم اور شرمسار ہوں۔ اس خلعتِ تصوّف اور خرقۂ طریقت پر بھی مجھے کوئی ناز نہیں۔ بس یُوں سمجھ لو کہ ستر سال میں نے آتش پرستی میں بال سفید کئے ہیں اور آج بلکہ ابھی دائرۂ اسلام میں قدم رکھ رہا ہوں۔ یہ لو .... زُنّار کو توڑے دیتا ہوں۔ اس کو توڑ کر اب نئے سرے اللہ اللہ کہنا سیکھ رہا ہوں۔ زبان پر کلمۂ شہادت لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک اور صرف ایک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پالنے والے! تیری مہربانیاں اسباب پر منحصر نہیں۔ تیرے ہاں قبولیت محض اطاعت پر نہیں۔ اسی طرح تیرا کسی کو دھتکار دینا

صرف معصیت ہی نہیں

الٰہی! میں نے تجھ سے نیکی لی ہے، اُسے بھلائے دیتا ہوں تو بھی میرے ان اعمال پر خطِ نسو کھینچ دے کہ جو تمہیں پسندِ خاطر نہیں۔

بارِ الٰہا! میں نے پنے سے پندارِ طاعت کی گرد کو دھو ڈالا ہے تو بھی اپنی رحمت سے مجھ سے معصیت کی گرد دھو ڈال"۔

لمحاتِ آخریں

تذکرۃ الاولیاء اور نفحات الانس میں ہے کہ حضرت بایزیدؒ ابتدا عمر سے ہی بہت زیادہ اللہ اللہ کرتے تھے اور ذکرِ الٰہی میں وقت بسر کرتے تھے۔ جب وصال کا وقت قریب ہوا تو بھی اللہ اللہ زبان مبارک پر جاری تھا۔ اس وقت سراپا عجز و انکسار بن گئے تھے اور وہی احساس دامنگیر تھا کہ جو خاصانِ خدا کا حصہ ہے یعنی یہ احساس کہ اس طرح عبادت نہیں ہو سکی جس طرح عبادت کرنے کا حق تھا۔

چنانچہ زبان مبارک پر یہ جملے لاتے۔

اَلٰھِی لَا اَذْکُرُکَ اِلَّا عَنْ غَفْلَۃٍ وَمَا خَدَمْتُ اِلَّا عَنْ فَتْرَۃٍ

ترجمہ: اے میرے اللہ! میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر بھول بھول کر اور اسی طرح تیری عبادت نہیں کر سکا مگر وقفوں کے بعد۔

اب جبکہ اپنی جان تیرے حوالے کر رہا ہوں۔ اس وقت بھی تیری طاعت سے غافل ہوں۔ معلوم نہیں تیرے حضور کے قابل کیسے ہوں گا!

وفات و وصال

وفات کے وقت زبان پر اسمِ ذات تھا۔ امید و رجا کا غلبہ بڑھ گیا تھا اور بقائے الٰہی کا اشتیاق فزوں ہو گیا تھا۔ اس طرح ذکر و حضور میں آپ نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

وصال کے وقت یقیناً عالم بالا سے یہ ندا آ رہی ہو گی۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (۸۹ / ۲۷۔۳۰)

ترجمہ: لوٹ آو، لوٹ آو اے مطمئن جان! اپنے رب کی طرف راضی خوشی ہو کر۔ پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری خاص جنّت (کہ جو تمہارے لیے چشم براہ ہے)

سنِ وفات سالِ وصال صحیح قول کے مطابق ۲۶۱ھ بمطابق ۸۷۵ء ہے بعض اقوال میں ۲۳۴ھ اور ۲۶۴ھ کو بھی وفات کا سال بیان کیا جاتا ہے لیکن یہ سال درست نہیں۔

صاحب تواریخ آئینہ تصوّف نے بعض اربابِ کشف کی تحقیق کی بنا پر مزید تصریح کی ہے کہ وصال مبارک ۱۵ ماہ شعبان ۲۶۱ھ بروز دوشنبہ بوقت نصف شب ہُوا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

تدفین جب آپؒ کی وفات حسرت آیات کی لوگوں کو اطلاع ہوئی تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ جنازہ بڑی شان سے اُٹھا۔ کیوں نہ اُٹھتا۔ ایک عاشق کا جنازہ تھا اس لیے اسے دھوم سے ہی اُٹھنا چاہیے تھا۔ لوگ اتنے زیادہ تھے کہ بہت سے لوگ کندھا بھی نہ دے سکے۔

حضرت ابو موسٰیؒ جو آپ کے بھتیجے اور خادم خاص تھے۔ وہ اس وقت اتفاق سے بسطام میں موجود نہ تھے کہ جب آپ نے رحلت فرمائی۔ ان کا بیان شیخ عطّارؒ نے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ عرش میرے سر پہ ہے اور میں اُسے اُٹھائے جا رہا ہوں۔ بڑا حیران ہُوا اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ فوراً بسطام کی طرف روانہ ہو گیا تا کہ اپنے پیر و مرشد سے اس کی تعبیر جا کر

پوچھوں۔ بسطام پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت انتقال فرما چکے ہیں۔ حدِ نظر تک لوگ ہی لوگ نظر آتے تھے اور بے شمار خلقت تھی کہ جو جمع ہو گئی تھی۔ جب انہوں نے جنازہ اُٹھایا تو میں نے بڑی کوشش کی کہ جنازے والی چارپائی کا کوئی کونہ مجھے بھی اٹھانے کو مل جائے مگر ناکام رہا۔ جنازہ قبرستان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اب مجھ میں مزید صبر کی ہمّت نہ تھی۔ آگے بڑھا اور چارپائی کے نیچے ہو لیا اور اس طرح جنازہ اٹھانے کی سعادت حاصل کر لی۔

اب مجھ پر اس خواب کی حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ جو پہلے دیکھا تھا۔

مدفن مبارک حضرت بایزیدؒ بسطام میں پیدا ہوئے تھے اور اسی کی خاک میں دفن ہوئے وہ مقام کہ جہاں آپ آسودۂ خواب ہیں، وہاں اب گورستانِ طیفور کے نام سے ایک قبرستان عالمِ وجود میں آگیا ہے۔ مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے۔ یہاں صوفیائے کرام بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے ہیں۔ فاتحہ پڑھتے اور روحانی فیض اٹھاتے ہیں۔

مزار پر ایک قبّہ ہے کہ جو ایک تاتاری حکمران کے اظہارِ عقیدت کی یادگار ہے۔ تاتاری بزرگانِ دین کے بڑے معتقد ہو گئے تھے کیونکہ ان کا اسلام قبول کرنا مشائخ اور صوفیہ کرام کی پُرخلوص کوششوں کا مرہونِ منت تھا۔ جرمن مستشرق کارل بروکلمان اور انگریزی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کے بیان کے مطابق یہ قبّہ تاتاری حکمران الجائتو نے ۷۰۰ھ بمطابق ۱۳۰۰/۱۳۰۱ء میں تعمیر کرایا تھا۔

عمر مبارک وصال کے وقت عمر مبارک چوہتر اور چھہتر کے درمیان تھی لیکن آپ خود اس عمر کے آخری چار سالوں کو اپنی حقیقی اور روحانی عمر قرار دیتے تھے جیسا کہ انہوں نے زندگی کے آخری ایام میں عمر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے عمر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا:۔

"میری عمر چار سال ہے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا، ستّر سال کا عرصہ دنیا کے حجاب میں بسر ہوا ہے۔ چار سال ہوئے ہیں کہ مشاہدۂ حق سے فیض یاب ہوں۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ جو عمر حجاب میں گزرے اس کا ہمارے ہاں حقیقی عمر میں شمار نہیں ہوتا۔"

نکیرین سے سوال و جواب

تذکرۃ الاولیاء میں منقول ہے کہ ایک مرید نے حضرت بایزیدؒ کی خواب میں زیارت کی اور ان سے پوچھا کہ منکر و نکیر کے ساتھ کیسے گزری؟ ارشاد فرمایا:

"ان عزیزوں نے مجھ سے خدا کے بارے میں سوال کیا میں نے جواب دیا کہ تمہارا اس سوال سے مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے کہ اگر میں کہتا ہوں کہ میرا خدا وہ ہے کہ جو واحد لاشریک ہے تو میرا تو کہہ دینا آسان ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ تم واپس جاکر خدا سے ہی پوچھ لو کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔ جو کچھ وہ کہے، وہی میں ہوں کیونکہ میں اگر سو بار بھی کہوں کہ میرا خدا وہ ہے جب تک وہ مجھے اپنا بندہ قرار نہیں دیتا، ایسا کہنے کا کوئی فائدہ نہیں"۔

مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں اس سلسلے میں ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ:

"بعض لوگوں نے حضرت بایزیدؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے سوال و جواب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:۔

"فرشتوں نے مجھ سے پوچھا اے بوڑھے شخص اپنے ساتھ کیا لایا ہے؟"

میں نے جواب دیا:۔

"جب کوئی درویش کسی بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے تو اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ تو کیا لایا ہے بلکہ اسے کہتے ہیں کہ بتا تو کیا چاہتا ہے؟"

رفتید و لے نہ از دل ما

تاریخ بتاتی ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے بستر مرگ پر دم واپسیں اپنے فرزند حضرت حسنؓ کو ایک یہ بھی نصیحت کی تھی "بیٹا! دنیا میں زندگی اس طرح بسر کرو کہ تمہارے اخلاق کی کشش سے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ تمہارے گرد جمع رہیں اور جب تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ تو کچھ آنکھیں ایسی ضرور ہونی چاہئیں کہ جو تم پر چار آنسو بہا سکیں۔"

حضرت حسنؓ نے یقیناً اس پر عمل کیا اور جب ان کی وفات ہوئی تو دوست دشمن سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

حضرت بایزیدؒ نے بھی اپنی زندگی کچھ اس انداز سے گزاری اور اپنے اخلاق و محبت سے لوگوں کے دلوں پر اتنے گہرے نقش چھوڑ گئے کہ عرصہ تک لوگوں کی آنکھیں اشکبار رہیں اور ان کے دل آپ کو اپنے درمیان نہ پا کر مدتوں دردمند رہے۔ احباب اور ارادت مند اکثر آپ کو یاد کرتے رہتے اور آپ کے معرفت بھرے کلمات اور پیاری پیاری باتوں کو دھراتے رہتے غالباً یہی وجہ ہے کہ جس قدر آپ کے اقوال محفوظ چلے آتے ہیں شاید ہی کسی اور بزرگ اور شیخ طریقت کے محفوظ ہوئے ہوں۔ سالہا سال تک آپ اپنے عقیدت مندوں کے خواب و خیال کی دنیا پر چھائے

رہے۔ اگر کسی مرید کو خواب میں زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا تو وہ اسے دنیا و جہاں کی ہر نعمت سے بیش قیمت سمجھتا۔ حضرت بایزیدؒ کو دنیا سے گزرے گیارہ سو سے کچھ زیادہ ہی سال ہو چکے ہیں مگر ان کی یاد ہے کہ ابھی دلوں میں باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

○

باب دوم

آپ بے بہرہ ہے، جو معتقدِ میرؔ نہیں

○
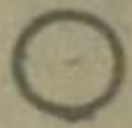
معاصر مشائخ اور تلامذہ

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز اولیائے کرام اور صوفیہ عظام کے سرخیل ہیں۔ آپ روحانیت اور معرفت کے اس بلند مقام پر فائز تھے اور انھوں نے علم و عرفان کے اس قدر موتی بکھیرے ہیں کہ ان کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے مشائخ اپنے آپ کو ان کی خوشہ چینی پر مجبور پاتے ہیں۔ میر انیسؔ کے الفاظ میں گویا یہ ان کا اذن عام تھا۔

؎ لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینیوں کو

ولی کو ولی پہچانتا ہے اور اہلِ دل کی قدر اہلِ دل ہی کو ہوتی ہے۔ صاحبِ استعداد بڑی تعداد میں آتے رہے اور دامن بھر بھر کر جاتے رہے۔ بہت سے بزرگوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا اور اس شرف پر ہمیشہ نازاں رہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اپنے عہد کے مشائخ میں جس قدر عزت و احترام حضرت بایزیدؒ کو میسر تھا شاید ہی کسی ولی کو حاصل رہا ہو۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

آپ خود بھی راہ طریقت کے ہم سفر ساتھیوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جو کوئی اللہ والا آپ کے ہاں آتا آپ آگے بڑھ کر استقبال کرتے تھے بلکہ اگر کہیں کسی بزرگ کے قیام کی خبر سنتے تو خود وہاں پہنچ کر جا ملتے۔ ہمعصر مشائخ کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ آپ ان کے قدردان تھے۔ اور وہ آپ پر دل و جان سے فدا اور آپ کی عظمت کے معترف۔

معاصرانہ چشمک ایک مشہور چیز ہے اور اہلِ دنیا کے اکثر دوائر میں پائی جاتی ہے۔ لیکن صوفیہ کے ہاں اس کا گزر ہی نہیں۔ ان کے سینے بے کینے اس

کدورت سے پاک وصاف ہوتے ہیں۔

مشائخ اور تلامذہ سے نامہ و پیام میں روحانی مسائل زیر بحث آتے تھے۔ اسرار و معارف بیان ہوتے تھے۔ طریقت و سلوک کی گتھیاں سلجھائی جاتی تھیں۔ مرید اور شیخ اپنے احوال لکھ بھیجتے اور ان کی پُر خلوص رہنمائی کی جاتی تھی۔ اس نامہ و پیام میں حضرت بایزیدؒ کی حیثیت سلطان العارفین، اور مرشدِ کامل کی حیثیت میں ممتاز نظر آتی ہے۔ متعدد بزرگ خود آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ آپ جہاں کہیں تشریف فرما ہوتے، رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ محفلیں جمتی اور مجلسیں منعقد ہوتی تھیں جن میں آپ شریعت و طریقت اور علم و عرفان کا درس دیا کرتے تھے۔ ان مجلسوں میں عام مریدوں کے علاوہ کئی نامور بزرگ بھی شریک ہوتے اور استفادہ کرتے تھے۔ یہ درس قال اور حال کے نال میل اور لطیف امتزاج سے تربیت پاتے تھے اور تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن میں بڑے مؤثر ثابت ہوتے تھے جس طرح سلطانِ وقت کے اظہار اطاعت کے لئے رعایا بیعت کرتی تھی، اسی طرح سلطان العارفین کی بیعت کے لئے عارفوں اور سالکوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے رہتے تھے۔

اپنے عہد کے مشائخ میں حضرت بایزیدؒ اس طرح تھے کہ جس طرح ستاروں میں بدرِ کامل اور ماہ چہار دہم ہوتا ہے اور روحانیت کی جس منزل پر آپ تھے اس کی گردِ راہ کو بھی دوسرے ولی نہیں پہنچ سکے۔

اُن کے دَور کے صوفیہ اور مشائخ کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت اُجاگر ہو جاتی ہے کہ ہمعصر مشائخ میں کوئی بھی ان کا ہمسر نہیں تھا۔

بالآخر یہی کہنا پڑتا ہے :۔

ع بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ ولی

معاصر بزرگ اور تلامذہ جنہوں نے آپ کے گلشنِ علم و عرفاں سے خوشہ چینی کی یا

کسی نہ کسی طرح فیض حاصل کیا اور آپ کی جلالت قدر کے معترف و معتقد رہے ان میں سے بعض سربرآوردہ اکابر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :-

(ا) مسترشدین و معتقدین۔

۱۔ حضرت جُنید بغدادیؒ المتوفی ۲۹۷ھ آپ کی شخصیت چنداں محتاج تعارف نہیں ہے۔ سید الطائفہ آپ کا لقب ہے اور آپ ظاہری اور باطنی علوم کے امام تھے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ انہیں "اہل طریقت کے شیخ المشائخ اور شریعت کے امام الائمہ" کے القاب عالیہ سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ کے شیخ الشیوخ ہیں اور آپ حضرت بایزیدؒ کے روحانی مرتبے کے بڑے معترف اور معتقد تھے۔

تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپؒ نے فرمایا:-

"بایزید ہم میں ایسے ہیں جیسے جبرائیل فرشتوں میں ہیں"۔

(کشف المحجوب۔ تذکرۃ الاولیاء۔ سفینۃ الاولیاء)

بلا شبہ حضرت جنیدؒ کا یہ قول حضرت بایزیدؒ کی عظمتِ روحانی کا اعلانِ جلی ہے یاد رہے کہ ناموس اکبر، روح الامین حضرت جبرائیلؑ وحی پہنچانے کے اہم ترین منصب پر فائز رہے ہیں اور جو قربِ خداوندی انہیں حاصل ہے، وہ کسی بھی مقرب سے مقرب فرشتے کو نصیب نہیں ہوا۔ بے شک وہ ایسے روحانی اسرار کے محرمِ راز ہیں کہ جن کی اوروں کو ہوا بھی نہیں لگی۔

۲۔ حضرت ذوالنون مصریؒ المتوفی ۲۴۵ھ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے متقی عالم اور صاحب طریقت ولی تھے۔ ان کا حضرت بایزیدؒ کے ساتھ نامہ و پیام جاری رہتا تھا اور اپنے مریدوں کو ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ انہوں نے دو تین بار تحفے بھی بھیجے تھے جیسا کہ

تذکرۃ الاولیاء میں روایت ہے کہ:

ایک بار حضرت ذوالنون مصریؒ نے حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں ایک مصلّیٰ بھیجا۔ آپ نے اُسے واپس کر دیا اور فرمایا:

"ہمارا مصلّے سے کیا کام؟ ہمیں تو اب مسند درکار ہے کہ اسے تکیہ بنائیں۔"

یعنی ہمارا معاملہ نیاز کی حدوں سے گزر گیا ہے اور اب ہم ناز کی حدوں میں داخل ہو چکے ہیں۔

حضرت بایزیدؒ کے خادم خاص حضرت ابوموسیٰؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ذوالنونؒ نے ایک عمدہ تکیہ بھیج دیا مگر آپ نے وہ تکیہ بھی واپس کر دیا۔ حضرت ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ حضرتؒ اس وقت مجاہدے کر کے بہت نحیف و نزار ہو چکے تھے اور جسم مبارک پر ہڈیوں اور کھال کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔ تکیہ واپس کرتے وقت آپؒ نے فرمایا:

"جس کی تکیہ گاہ حق تعالیٰ کا لطف و کرم ہو، اسے دنیاوی تکیوں اور سرہانوں سے آسائش و آرام حاصل نہیں ہوا کرتا....."

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ذوالنونؒ اپنے مریدوں کو فیضِ صحبت حاصل کرنے کے لیے اکثر حضرت بایزیدؒ کی خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتے تھے۔ ادھر حضرت بایزیدؒ حضرت بایزیدؒ یادِ الٰہی میں اس قدر خود فراموش ہوتے جا رہے تھے کہ انہیں اپنے آپ کی بھی خبر نہ رہتی تھی چنانچہ وہ مرید بعض اوقات کچھ اس قسم کے حادثوں سے بھی دوچار ہو جاتے تھے۔

کشف المحجوب اور رسالہ قشیریہ میں تحریر ہے کہ ایک بار حضرت ذوالنونؒ نے اپنے ایک مرید کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ شخص بسطام میں حضرت بایزیدؒ

کے مکان پر آیا اور دستک دی۔ حضرت بایزیدؒ باہر نکلے اور اُن سے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟ اور کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

وہ شخص بولا: "حضرت بایزیدؒ سے ملنا چاہتا ہوں"۔

آپؒ نے یہ سُنا تو فرمایا:۔

"بایزید کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟"

وہ شخص یہ سن کر واپس چلا گیا اور کہنے لگا: "یہ تو کوئی دیوانہ معلوم ہوتا ہے"۔

واپس جا کر اس نے حضرت ذوالنونؒ کو سارا حال کہہ سنایا:

حضرت ذوالنون سن کر رو دیئے اور فرمایا:

اخی ابویزید ذھب فی الذاھبین الی اللہ۔

ترجمہ:۔ میرا بھائی۔ بایزید یقیناً اس جانے والی جماعت میں جا شریک ہوا ہے کہ جو خدا کی طرف سرگرم سفر ہے۔

حضرت بایزیدؒ غالباً زیادہ قیام اللیل نہیں کرتے تھے اور بظاہر سو رہے تھے حالانکہ ان کا دل ذکر کے لحاظ سے بیدار رہتا تھا اور اس طرح یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ مزید برآں ان دنوں ان کا طریقہ جذب و محبت تھا کہ جس میں زیادہ محنت اور مشقت درکار نہیں ہوتی۔ حضرت ذوالنونؒ نے اس ظاہرہ حالت پر قیاس کرتے ہوئے شب بیداری کی طرف توجہ دلائی۔

چنانچہ امام ابوالقاسم القشیریؒ اور حضرت شہاب الدین سہروردیؒ تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصریؒ نے حضرت بایزیدؒ کے پاس ایک شخص کو بھیج کر کہلا بھیجا:۔

"یہ نیند اور راحت کب تک رہے گی؟ قافلہ تو دور ——
بہت دُور جا چکا"۔

بیدار بخت بایزیدؒ نے اپنے دوست کی یہ پُر خلوص فہمائش سنی تو زبان پر تحدیث نعمت کا یہ زمزمہ آگیا اور فرمایا:-

"میرے بھائی ذوالنونؒ کو کہہ دیجیئے گا کہ مرد تو وہ ہے کہ جو ساری رات تو سویا رہے اور صبح ہو تو قافلے سے پہلے منزل پر پہنچ جائے"

حضرت ذوالنونؒ نے یہ سُنا تو فرمایا:-

"انہیں یہ مرتبہ مبارک ہو، افسوس! ہمارے احوال تو ابھی ان کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ پائے ....." (عوارف المعارف۔ رسالہ قشیریہ)

۳۔ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۵۳ھ

حضرت شفیقؒ بلخ کے ممتاز اولیائے کرام میں سے تھے۔ آپ حضرت بایزیدؒ کے ہاں آیا کرتے تھے اور روحانی معاملات میں تبادلہ کیا کرتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جس سے دونوں بزرگوں کے درمیان گہرے دوستانہ تعلقات، احترام مشائخ کی اہمیت اور حضرت بایزیدؒ کی ولایت و کرامت پر روشنی پڑتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت شفیق بلخیؒ اور حضرت ابو تراب نخشبیؒ حضرت بایزیدؒ کے پاس بسطام میں آئے۔ کھانے کا وقت ہُوا تو دسترخوان لایا گیا، ایک نوجوان حضرت بایزیدؒ کی کھانا وغیرہ کھلانے میں مدد اور خدمت کر رہا تھا۔ دونوں بزرگوں نے اُسے کھانے میں شریک ہونے کے لئے کہا۔ اس نے انکار کیا اور کہنے لگا کہ میں تو نفلی روزے سے ہوں۔

حضرت ابو ترابؒ نے فرمایا: کھالے تمہیں ایک ماہ کے روزوں کا ثواب مل

جائے گا۔" لیکن اُس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت شفیقؒ نے فرمایا۔
"کھالو، خدا تمہیں سال کے روزوں کا ثواب عطا کرے گا۔"

مگر وہ پھر بھی نہ مانا جس سے ان بزرگوں کی دل شکنی ہوئی۔

اس پر حضرت بایزیدؒ نے تنگ آکر فرمایا:

"اُسے چھوڑ دو کہ جو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے گر چکا ہے۔"

روایت بتاتی ہے کہ وہ نوجوان ایک سال کے اندر اندر چوری کے الزام میں پکڑا گیا، جرم ثابت ہوا اور اس پر حد جاری کر دی گئی۔ (رسالہ قشیریہ۔ تذکرۃ الاولیاء۔ روض الریاحین)

حضرت شفیقؒ توکّل میں بڑے درجے کو پہنچے ہوئے تھے اور اس موضوع پر بڑی محققانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ امام قشیریؒ نے ان کا تعارف کراتے ہوئے ان کی اس خصوصیت کا ان شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔ "له لسانٌ فی التوکّل"۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس باب میں بھی حضرت بایزیدؒ امامِ زمانہ اور شیخِ وقت تھے۔ انہیں توکّل میں وہ یدِطولیٰ حاصل تھا کہ اس کے بارے میں انہوں نے حضرت شفیقؒ کی رہنمائی فرمائی تھی۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت بایزیدؒ کے پاس ایک دفعہ بلخ سے ایک مرید زیارت کے لئے آیا۔ آپ نے اس سے حضرت شفیقؒ کا حال دریافت فرمایا۔ اس نے بتایا کہ وہ تو مخلوقات سے فارغ ہو چکے ہیں اور توکّل پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت بایزیدؒ نے یہ سُنا تو فرمایا:

"جب تم واپس جاؤ تو انہیں کہنا دیکھ خداوند تعالیٰ کی جود و سخا کو روٹی کے چند ٹکڑوں سے نہ آزمانا بلکہ جب تمہیں بھوک ستائے تو اپنے ساتھیوں سے چند نوالے مانگ کر کھا لینا۔ کیونکہ بارگاہِ خداوندی

تو بلند اور مقدس مقاصد کے مطالبے کے لئے ہے اور وہ بلند بارگاہ
ادنیٰ اور سفلی ضروریات کی طلب کے لیے ہرگز نہیں۔"

۴۔ حضرت ابوتراب نخشبیؒ آپ ولی کامل اور حضرت بایزیدؒ کے خاص احباب میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت حاتم اصمؒ اور المتوفی ۲۴۵ھ حضرت ابوحاتم مصریؒ کی صحبت میں رہ کر سلوک اور طریقت کے مراحل کو طے کیا تھا اور پھر روحانیت کی شمع فروزاں کر کے ایک جگہ پر بیٹھ رہے تھے جہاں سے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے تھے۔ ان کی خانقاہ مرجع خلائق تھی۔ سالکانِ راہ طریقت وہاں آتے تھے اور روحانی مراحل طے کرتے تھے۔ ان کی زبان مبارک پر اکثر و بیشتر حضرت بایزیدؒ کا ذکر جمیل رہتا تھا اور ان کے فضائل و کمالات کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ وہ اکثر اپنے حلقہ ارادت کے لوگوں کو حضرت سلطان العارفین بایزیدؒ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ بھی دیا کرتے تھے بلکہ یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے ہاں کے درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے مریدوں کو بھی ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے تاکہ ان پر نعمتِ باقی کا مکاشفہ ہو۔

محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابوتراب نخشبیؒ کا ایک مرید تھا جب اس کا کام کمالیت کو پہنچا تو پھر جب کبھی وہ ان کے پاس آتا تو حضرت ابوتراب فرماتے۔

"اب تمہیں حضرت بایزیدؒ کے پاس جانا چاہیئے تاکہ تم پر ان کی نعمتِ باقی مکاشفہ ہو۔ وہ مرید چونکہ کمالِ حال میں تھا لہٰذا اسے حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں جانا دشوار نظر آتا تھا۔ کچھ تذبذب کے بعد وہ پر آمادہ ہُوا اور جب وہ شخص جسے اپنے کمالِ حال پر ناز تھا، بارگاہِ بایزیدؒ میں پہنچا تو تاب نہ لا سکا۔ اس واقعہ

کو بیان کر کے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا ہے۔

"خواجہ بایزیدؒ بھی عجیب کامل تھے کہ کامل لوگ بھی اُن کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔" (افضل الفوائد)

حضرت ابو ترابؒ خود بھی حضرت بایزیدؒ کے ہاں وقتاً فوقتاً آتے رہتے تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایک بار آپؒ حضرت شقیق بلخیؒ کے ہمراہ حضرت بایزیدؒ کے ہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔

۵۔ حضرت احمد بن خضرویہ بلخیؒ المتوفی ۲۴۰ھ

۶۔ حضرت فاطمہ بلخیہؒ

حضرت احمد بن خضرویہؒ خراسان کے بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ پہلے ابو تراب نخشبیؒ کی صحبت میں رہے۔ بعد ازاں نیشاپور جا کر حضرت ابو حفص الحدادؒ کی زیارت کی اور پھر بسطام حضرت بایزیدؒ کے پاس مزید روحانی تربیت کے لیے آئے کہ جو حضرت ابو ترابؒ اور حضرت حفصؒ دونوں بزرگوں کے شیخ کا درجہ رکھتے تھے۔ حضرت بایزیدؒ نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی بڑی اچھی طرح تربیت کی۔ یہاں تک کہ وہ ان کے قابلِ فخر شاگرد قرار پائے۔ حضرت بایزیدؒ اپنے اس شاگرد کو استاذنا احمد (ہمارے استاد — احمد) کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری گنج بخشؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت احمد بن خضرویہؒ حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قبا پہنے ہوئے تھے۔ حضرت گنج بخشؒ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہؒ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بلخیہؒ دونوں خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ وہ دونوں حضرت بایزیدؒ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت بایزیدؒ نے حضرت فاطمہ کو ان کے روحانی مرتبے کی وجہ سے شرکت کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ ایک روز حضرت بایزیدؒ کی نظر حضرت

فاطمہؓ کے مہندی لگے ہوئے ہاتھوں پر پڑ گئی اور فرمایا:

"اے فاطمہ! تم نے اپنے ہاتھوں کو اتنی مہندی کیوں لگا رکھی ہے؟ اگر لگائی بھی تھی تو ایک مرشد روحانی کے سامنے اس کی جلوہ آرائی اور نمائش کی آخر کیا ضرورت تھی؟"

حضرت فاطمہؒ نے یہ سنا تو یہ کہہ کر مجلس سے چل دیں کہ جب تک تمہاری نگاہ خوفِ خدا سے ہاتھوں پر نہ پڑتی تھی، اس وقت تک میرا آپ کی مجلس میں شریک ہونا جائز تھا، اب یہ جائز نہیں رہا۔" (کشف المحجوب)

اس واقعہ سے حضرت بایزیدؒ اور حضرت فاطمہ کی مثالی تقویٰ شعاری واضح ہوتی ہے۔ دونوں بزرگ ہستیاں اس کے بعد بھی ایک دوسرے کا پورا پورا احترام کرتی رہی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت بایزیدؒ کی نظر یا تو اچانک غیر ارادی طور پر ان ہاتھوں پر پڑ گئی تھی کہ جو خدا کے ہاں قابلِ مواخذہ نہیں یا انہوں نے کسی مصلحتِ روحانی کے پیشِ نظر ملامتیہ انداز اختیار کرتے ہوئے ایسا کیا ہوگا۔ بہر حال اس میں کوئی شرعی قباحت نہ تھی۔

حضرت احمد بن خضرویہؒ، حضرت بایزیدؒ کے اُن شاگردوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے ان کے نام کو روشن کیا۔ وہ جہاں کہیں رہے، اپنے شیخ کی تعریف و توصیف میں رطبُ اللسان رہے اور ان کے سلسلے کو فروغ دینے میں کوشاں رہے۔ افسوس ان کی وفات حضرت بایزیدؒ کی زندگی میں ہی ہوگئی۔

۷۔ حضرت ابو حفص الحدادؒ

حضرت سید علی ہجویری گنج بخشؒ اُن کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابو حفص عمر بن سالم الحداد نیشاپوری خراسان کے شیخ المشائخ المتوفی ۲۶۷ھ میں اور سارے بزرگوں کے ممدوح ہیں آپ حضرت ابو عبداللہ ابیوردیؒ کے مصاحب اور

حضرت احمد خضرویہؒ کے رفیق تھے اور شاہ شجاع کرمانیؒ جیسے لوگ ان کی زیارت کے لیے آئے۔" (کشف المحجوب)

آپ کا شمار حضرت بایزیدؒ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے اور انہوں نے اپنے شیخ حضرت بایزیدؒ کے بعض کلمات اور اقوال کی دل نشین انداز میں تشریح و توضیح فرمائی ہے کہ جن کا دیسے سمجھنا آسان نہ تھا۔ امام ابوالقاسم القشیریؒ اپنے اسناد کے حوالے سے حضرت بایزیدؒ کا معرفت کی تعریف کے بارے میں ایک قول نقل کرتے ہیں اور پھر حضرت ابوحفص کی تشریح و توجیہہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

هٰذا معنی ما اشار الیہ ابوحفص۔ (رسالہ قشیریہ)

۸۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی
المتوفی ۲۵۸ھ

ہمعصر اولیائے کرام میں جو بزرگ حضرت سلطان العارفین بایزیدؒ سے سب سے زیادہ فیض یاب ہوئے وہ غالباً حضرت یحییٰ بن معاذ رازی تھے۔ آپ جہاں کہیں رہتے، اپنے شیخ کا برابر خیال رکھتے اور بڑی عقیدت کے ساتھ تحفے تحائف بھیج کر اپنے خلوص کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔ ادھر حضرت بایزیدؒ کو بھی ہمیشہ ان کی تربیت کا خیال دامنگیر رہتا تھا۔

خواجہ نظام الدین اولیاء بیان فرماتے تھے کہ ایک بار حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے جَو کی دو روٹیاں پکا کر حضرت بایزیدؒ کو بھیجی تھیں اور کہلا بھیجا تھا کہ انہیں میں نے آبِ زمزم میں گوندھ کر پکایا ہے۔ لیکن حضرت بایزید نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"یہ تو کہہ دیا کہ آبِ زمزم سے گوندھ کر پکائی ہیں لیکن یہ تو نہیں بتایا کہ روٹیوں کا آٹا کہاں سے اور کس ذریعے سے آیا تھا؟"

جب تک یہ حقیقت معلوم نہ ہو، ایسی روٹیاں ہم کیسے کھالیں؟"

حضرت یحیٰی بن معاذؒ اپنے احوال اور واردات روحانی سے حضرت بایزیدؒ کو باخبر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کسی قدر شرابِ حقیقت سے سرشاری میسر آئی تو بے تاب اور بے قابو ہو کر حضرت بایزیدؒ کو لکھ بھیجا۔

"آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ جس کو شرابِ حقیقت کا ایک پورا پیالہ پینے کو نصیب ہوا ہو اور وہ اس میں سرمست ہو"

حضرت بایزیدؒ نے انہیں کہلا بھیجا:-

"یہاں تو وہ لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے خُم پہ خُم لنڈھائے ہیں اور زمین و آسمان کے سارے دریا پی گئے ہیں اور پھر بھی ان کی زبانوں پر هل من مزید (کچھ اور بھی ہے؟) ہے"۔ (طبقات کبریٰ۔ افضل الفوائد۔ تذکرۃ الاولیاء۔ رسالہ قشیریہ۔ روض الریاحین۔)

ع جتنا ہے ظرف اس کا، اتنا وہ پی رہا ہے

اس قول میں حضرت بایزیدؒ نے خود اپنی طرف اشارہ کیا تھا کہ جنہوں نے جام پر جام پیتے تھے اور پھر بھی پیاس تھی کہ اس نے بجھنے کا نام نہ لیا۔ یہ امر بلا شبہ ان کی وسعتِ ظرف کا آئینہ دار ہے۔

۹۔ حضرت ابراہیم ہروی

حضرت ابراہیم بن شیبہ ہرویؒ حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک بار وہ حضرت بایزیدؒ سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرتؒ ایک مسجد میں قیام پذیر تھے، اچانک اپنے مریدوں سے فرمانے لگے۔ "اُٹھیے کہ چل کر اللہ کے ایک پیارے دلی کا استقبال کریں"۔

..... ایک گدھے پر سوار آتے ہوئے دیکھا۔ قریب پہنچے تو حضرت بایزیدؒ فرمانے لگے۔ مجھے الہام ہوا تھا کہ اُٹھوں اور آپ کا استقبال کروں اور جی میں یہ بھی آتا ہے کہ حق تعالیٰ سے تمہارے لئے سفارش کروں۔

اس پر حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہیں اگر ساری مخلوقات کا سفارشی اور شفاعت کرنے والا بھی بنا دے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ یہ پھر بھی (اللہ تعالیٰ کی رحمت کو خیال میں لاتے ہوئے) مشتِ خاک کے برابر ہے"۔

حضرت بایزیدؒ نے اُن کی یہ بات سُنی تو بہت حیران ہوئے۔ (طبقات کبریٰ تذکرۃ الاولیاء)

حضرت ابراہیم ہرویؒ نے حضرت سلطان العارفین بایزیدؒ کے کئی اقوال نقل کئے ہیں۔ مثلاً طبقات الصوفیہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم ہرویؒ نے بیان کیا کہ حضرت بایزیدؒ سے عارف کی علامتیں پوچھی گئیں تو انہوں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

"عارف وہ ہے کہ جو خدا کے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہوتا، اس کے حق ادا کرنے سے کبھی نہیں اکتاتا اور اس کے سوا کسی سے مانوس نہیں ہوتا"۔

۱۰۔ **شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ** آپ حضرت بایزیدؒ کے حلقۂ ارادت کے نامور افراد میں سے تھے۔ انہوں نے طریقت و سلوک کی منزلیں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ طے کی تھیں اور کشف و مشاہدے کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت بایزیدؒ کے مقام بلند اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حالت کی نشاندہی اس قول سے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"میں اٹھارہ ہزار عالم کو حضرت بایزیدؒ کی ذات بابرکات سے پُر دیکھتا ہوں اور درمیان میں حضرت بایزیدؒ مجھے دکھائی نہیں دیتے"۔

یعنی جہاں حضرت بایزیدؒ ہیں، وہ حق اور حق میں ہی محو ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء تحفۃ الابرار)

شیخ فریدالدین عطارؒ تذکرۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت ابوسعیدؒ حضرت بایزیدؒ کے واصل بحق ہونے کے کچھ عرصہ بعد ان کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ گھڑی بھر کے لئے وہیں (مراقبے میں) کھڑے رہے۔ جب واپس ہوئے تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے۔

"یہ وہ جگہ ہے کہ جس نے کچھ کھایا ہو، وہ یہاں پا سکتا ہے"۔

۱۱۔ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ

المتوفی ۳۰۰ھ تقریباً

حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے مگر تاج و تخت کو چھوڑ کر خرقہ پوشی اور گوشہ نشینی کو اختیار کر لیا تھا تصوف اور طریقت میں کئی رسالے تحریر کئے ہیں کہ جو اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

آپ حضرت ابوتراب نخشبیؒ حضرت ابوحفص الحداد نیشاپوری اور شیخ ابوسعید الوالخیرؒ سے شرف تلمذ رکھتے تھے اور وہ سبھی بزرگ حضرت بایزیدؒ کے شاگرد ہیں۔ اس لحاظ سے شاہ شجاع کرمانیؒ بالواسطہ طور پر حضرت بایزیدؒ سے مستفیض ہوئے۔

مزید براں حضرت کرمانیؒ نے سلوک کے بعینہ وہی درجے رکھے ہیں کہ جو حضرت بایزیدؒ نے رکھے تھے جیسا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بیان فرماتے ہیں:

"خواجہ بایزید بسطامیؒ اور شاہ شجاع کرمانیؒ نے سلوک کے پچاس

رکھے ہیں، ان میں سے دسواں درجہ کشف وکرامات کا ہے"۔ افضل الفوائد)

۱۲۔ حضرت ابوسعید منجورانیؒ اور ۱۳۔ حضرت سعید راعیؒ

حضرت ابوسعید منجورانیؒ ابتدا میں حضرت بایزیدؒ کے معتقد نہیں تھے۔ چنانچہ ایک بار وہ امتحان کی غرض سے آپؒ کے پاس آئے اور جب آپ کی ولایت وکرامت دیکھی تو تائب ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ جب وہ آزمانے کے لئے آئے تو حضرت بایزیدؒ نے انہیں اپنے ایک مرید خاص حضرت سعید راعیؒ کہ جو ایک گڈریا تھے، کے ہاں چلے جانے کے لئے ارشاد فرمایا اور انہیں بتایا کہ ہم نے انہیں فلاں جگہ کی ولایت عطا کی ہوئی ہے۔ جب حضرت ابوسعید اس جگہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت سعید راعیؒ صحرا میں نماز میں مشغول ہیں اور جنگل کے بھیڑیئے ان کی بھیڑوں کی نگہبانی کر رہے ہیں۔ وہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اُن سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا گرم گرم روٹی اور تازہ تازہ انگور۔ حضرت سعید راعیؒ کے پاس بکریاں ہانکنے والی ایک لکڑی تھی۔ انہوں نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک ٹکڑا انہیں دیا اور ایک ٹکڑا ان کے اپنے ہاتھ میں رہ گیا۔ لکڑی کے ان دو ٹکڑوں پر چشم زدن میں انگور آ گئے۔ حضرت ابوسعیدؒ کی طرف کے انگور سیاہ تھے اور حضرت سعید راعی کے انگور سفید تھے۔

حضرت ابوسعید یہ کرامت دیکھ کر حیران ہوئے۔ پھر انہوں نے ان انگوروں کے مختلف رنگوں کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت راعیؒ نے جواب دیا:

"میں نے یقین کے ساتھ انہیں خدا سے مانگا تھا اور تم نے ازراہِ امتحان ان کی خواستگاری کی تھی۔ اس لئے ہر شخص کو جو کچھ ملا، اس کے حسبِ حال ملا۔"

اس کے بعد حضرت سعید راعیؒ نے حضرت ابوسعید کو اپنی کملی عطا کی اور فرمایا کہ اس کا خیال رکھنا کہیں کھو نہ جائے۔ وہ کہنے لگے اس کی کوئی پرواہ نہ کرو، میں اسے گم نہیں ہونے دوں گا۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوسعید پنجورانیؒ عازمِ حج ہوئے۔ میدان عرفات میں تھے کہ وہ کملی ان سے گم ہو گئی اور جب وہ واپس بسطام آئے تو ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہی کملی وہاں حضرت سعید راعیؒ اوڑھے ہوئے تھے۔

یہ سب کرامات دیکھ کر حضرت ابوسعیدؒ نے توبہ کی اور پھر حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں رہ کر روحانی فیوض و برکات حاصل کیں۔

بھیڑیوں کے بھیڑوں کی حفاظت کرنے کی وجہ حضرت ابوسعیدؒ نے نہیں پوچھی تھی اگر وہ وجہ پوچھتے تو حضرت سعید راعیؒ کا یقیناً وہی جواب ہوتا جو اس سے پہلے حضرت حبیب بن اسلم راعیؒ دے چکے تھے کہ جن سے ایسی ہی کرامت ظاہر ہوئی تھی اور ان سے پوچھا گیا تھا کہ بھیڑوں اور بھیڑیوں میں دوستی کب سے ہو گئی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تھا:

"جب سے بندے نے مالکِ حقیقی سے صلح کر لی ہے، ان کے درمیان بھی دوستی ہو گئی ہے......"

۱۴۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں حضرت خرقانیؒ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ابوالحسن علی بن احمد خرقانیؒ صوفیوں کے قدیم اجلۂ مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں اور اپنے وقت میں تمام اولیاء کے ممدوح تھے۔ شیخ ابوسعیدؒ نے آپ کی زیارت کا قصد کیا اور ان سے طویل

ملاقاتیں کیں۔"

حضرت گنج بخشؒ مزید لکھتے ہیں:

"میں نے خود اپنے استاد حضرت ابوالقاسم قشیریؒ سے سُنا تو وہ فرماتے تھے کہ جب میں ولایت خرقان میں آیا تو اس بزرگ کے دیدبہ سے میری فصاحت رخصت ہو گئی"۔ (کشف المحجوب)

حضرت خرقانیؒ کی ولادت اگرچہ حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد ہوئی لیکن روحانی فیض تمام تر آپ نے حضرت بایزیدؒ سے ہی حاصل کیا اس لئے آپ کو حضرت بایزیدؒ سے نسبت خاص حاصل ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت بایزیدؒ کے بعد کی کڑی حضرت خرقانیؒ کی ذات بابرکات ہے۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت بایزیدؒ جنگل میں جا رہے تھے۔ جب قصبۂ خرقان کی جگہ پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور بو سونگھنے لگے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے:۔

"یہاں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام ابوالحسن خرقانی ہوگا۔ میری وفات کے اتنے سال بعد پیدا ہوگا اور میری قبر پر آکر مجھ سے مستفید ہوگا۔" (نافع السالکین)

مولانا رومؒ نے مثنوی معنوی میں اس واقعہ کو یوں قلمبند کیا ہے:۔

۱۔ آں شنیدی داستانِ بایزید — کہ ز حالِ بوالحسن پیشیں چہ دید

۲۔ روزی آں سلطانِ تقویٰ بگذشت — با مریداں جانب صحرا و دشت

۳۔ بوی خوش آمد اُورا ناگہاں — در سوادِ ری ز سوی خارقاں

۴۔ ہم بدانجا نالۂ مشتاق کرد — بوی را از باد استنشاق کرد

ترجمہ: ۱۔ اے مخاطب! کیا تو نے حضرت بایزیدؒ کا وہ قصہ

سُنا ہے کہ جس میں انہوں نے حضرت ابوالحسنؒ کے حالات کے بارے میں پیش بینی کی۔

۲۔ قصّہ یہ ہے کہ ایک روز وہ سلطانِ تقویٰ اپنے مریدوں کے ہمراہ ایک صحرا کی طرف جا رہے تھے۔

۳۔ اچانک رے کے علاقے میں خرقان کی طرف سے خوشبو آئی۔

۴۔ اسی جگہ پر اشتیاق بھری آہ و بکائی اور ہوا سے اس خاص خوشبو کو سونگھنے لگے۔

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے بارے میں شہزادہ دارا شکوہ رقمطراز ہے۔

"شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کو تصوّف و طریقت میں فیض حضرت شیخ بایزیدؒ سے حاصل ہُوا ہے اور حضرت گنج بخشؒ کو حضرت بایزیدؒ اور حضرت خرقانیؒ سے تعلقِ خاطر حاصل ہے کیونکہ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی نسبت حضرت خرقانیؒ کے ذریعے سے حضرت بایزید بسطامیؒ تک پہنچتی ہے جبکہ حضرت سیّد علی ہجویری گنج بخشؒ ابتدا میں شیخ گرگانیؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔" (سفینۃ الاولیاء)

۱۵۔ حضرت ابو عثمان سعید بن اسماعیل الحیریؒ

کشف المحجوب میں تحریر ہے:۔

"تصوّف اور طریقت میں حضرت ابو عثمان الحیریؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ کی ابتدائی صحبت حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ کے ساتھ رہی ہے۔ بعد ازاں آپ عرصہ دراز تک شاہ شجاع کرمانیؒ کی صحبت میں رہے اور اُن کے ہمراہ حضرت ابو حفص حدادؒ کی زیارت کے لئے نیشاپور تشریف لے گئے۔ پھر حضرت ابو حفصؒ ہی کی خدمت و صحبت میں بقیہ عمر گزار دی۔ اس طرح انہوں نے رجا کا درجہ حضرت

یحیٰی بن معاذ رح کی صحبت میں، غیرت کا درجہ شاہ شجاع رح کی خدمت میں اور شفقت کا درجہ حضرت ابوحفص رح کے پاس رہ کر حاصل کیا۔

یاد رہے یہ تینوں بزرگ بلا واسطہ یا بالواسطہ حضرت بایزید رح کے شاگرد خاص ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت ابوعثمان رح کو بھی بالواسطہ طور پر حضرت بایزید رح کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

۱۶۔ حضرت عبداللہ الخراز رح المتوفی ۳۱۰ھ تقریباً آپ حضرت بایزید رح کے بالواسطہ فیض اٹھانے والے شاگردوں میں سے ہیں اور بڑے جلیل القدر بزرگ ہو گزرے ہیں۔

علامہ ابوعبدالرحمٰن السلمی رح نے طبقات الصوفیہ میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

ھو من الورعین والقائلین بالحق والطالبین قوتھم من وجہٍ حلالٍ صحبَ اباعمران الکبیر ولقی اباحفص النیشابوری واصحاب ابی یزید وکانوا جمیعاً یعظمونہ و یعظمونہ شانہ

ترجمہ: آپ پرہیز گار، حق گو اور اکل حلال کے طلبگار بزرگوں میں سے ہیں۔ آپ رح نے حضرت ابوعمران الکبیر رح کی صحبت اختیار کی اور حضرت ابوحفص الحداد نیشاپوری رح اور حضرت بایزید رح کے دیگر ساتھیوں اور شاگردوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ وہ سب آپ کی تعظیم کرتے تھے اور آپ کے مرتبے کو بلند سمجھتے تھے۔

۱۷۔ حضرت ابوموسیٰ بسطامی رح آپ حضرت بایزید رح کے بھتیجے اور خادم خاص تھے۔ حضرت بایزید رح کے متعدد حالات اور

اقوال آپ ہی نے بیان کئے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ تحفے بھیجنے والی روایت کے آپ ہی راوی ہیں۔ حضرت بایزیدؒ نے اپنے استاد سے اپنی قبر فروتر بنوانے کی وصیت بھی انہی کو کی تھی۔ آپ حضرت کی وفات کے وقت بسطام میں موجود نہ تھے۔ لیکن جنازے پر پہنچ گئے تھے۔

کتاب التعرف لمذہب التصوف میں تحریر ہے کہ حضرت ابو موسیٰ حضرت بایزیدؒ کے مؤذن بھی تھے۔ ایک بار انہیں کوئی عارضہ لاحق ہو گیا اور اذان نہ دے سکے۔ حضرت بایزیدؒ خود اذان دینے لگے۔ عجیب کیفیت طاری ہوئی اور آپ بے ہوش ہو گئے اور اذان مکمل نہ کر سکے۔ جب افاقہ ہُوا تو لوگوں نے تعجب کے ساتھ کہا: "پیر و مرشد! آپ تو اذان میں بے ہوش ہو گئے۔ حضرت بایزیدؒ نے ارشاد فرمایا۔ اس آدمی پر تعجب کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ جو اذان دیتا ہے تو صرف بے ہوش ہو جاتا ہے۔ تعجب تو اس پر ہے کہ جو اذان دیتا ہے اور پھر زندہ رہتا ہے اور مر نہیں جاتا۔

۱۸۔ حضرت عیسیٰ بسطامیؒ

حضرت بایزیدؒ کے بسطام میں واپس آجانے کے بعد آپ اکثر ساتھ رہتے تھے اور حضرت بایزیدؒ کے خاص حواریوں اور مصاحبوں میں شمار ہوتے تھے۔ جب حضرت بایزیدؒ اس شخص کی طرف روانہ ہوتے تھے کہ جس نے اپنی ولایت کو شہرت دے رکھی تھی تو ان کو ساتھ لیا تھا اور اسی طرح حضرت ابراہیم ہرویؒ کے استقبال میں بھی شریک تھے۔ تذکرۃ الاولیاء کی روایت کے مطابق حضرت بایزیدؒ کے تیرہ سالہ عالمِ قبض کا حال بھی آپ نے بیان کیا ہے۔ آپ بتاتے ہیں کہ میں تیرہ سال حضرت بایزیدؒ کے پاس رہا۔ اس دوران میں حضرت بایزیدؒ بالکل خاموش رہتے تھے اور کوئی بات نہ کرتے تھے۔ کبھی سر اُٹھاتے اور سرد آہ کھینچتے

اور پھر پہلی حالت پر لوٹ جاتے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ بسطامیؒ کو زیادہ عرصہ پاس رہنے کا موقعہ ملا تھا اس لئے حضرت بایزیدؒ کے حالات، واقعات اور اقوال کے بارے میں سب سے زیادہ روایات آپ سے ہی منقول ہیں۔ یہ روایات ان سے ان کے بیٹے حضرت ابو عمران موسیٰ بن عیسیٰ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو عمران موسیٰؒ عمی البسطامی کے نام سے زیادہ سے زیادہ مشہور ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ الخرازؒ کے حالات کے ضمن میں مرشد کی حیثیت سے جس ابو عمران الکبیرؒ کا ذکر آیا ہے وہ یہی بزرگ ہوں۔

تذکرہ نگار روایات میں عموماً حضرت عیسیٰ بسطامیؒ کا نام بہت کم لیتے ہیں بلکہ اکثر کہہ دیتے ہیں کہ عمی البسطامی نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا حضرت عمی البسطامیؒ اور حضرت عیسیٰ البسطامیؒ کے نام و نسب کی طرف اشارہ صرف علامہ ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ نے اپنی کتاب طبقات الصوفیہ میں کیا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کی وفات کا صحیح سن وسال ۲۶۱ھ حضرت عیسیٰ بسطامیؒ ہی کی روایت پر مبنی ہے۔

۱۹۔ حضرت ابو موسیٰ دیبلی دیناریؒ

آپ مرویات بایزیدؒ میں سے ایک حدیث رسولؐ کے راوی ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ حضرت بایزیدؒ کے کئی قول بھی آپ نے بیان کئے ہیں منجملہ ان کے ایک طبقات الصوفیہ میں درج ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بایزیدؒ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

ان اللہ یرزق العباد الحلاوۃ فمن اجل فرحھم بھا یمنعھم حقائق القرب۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (بعض) بندوں کو (دنیا میں) حلاوت (خوشگوار

حلاوت دے دیتا ہے (کیونکہ وہ لوگ اسی کے خواہشمند ہوتے ہیں) پس وہ اس میں ہی خوش ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے وہ قرب کی حقیقتوں سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

۲۰۔ حضرت پیر عمرؒ حضرت پیر عمرؒ بھی حضرت بایزیدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ تذکرۃ الاولیاء میں روایت ہے کہ آپ بیان کیا کرتے تھے کہ جب حضرت بایزیدؒ خلوت چاہتے تو یہ خلوت دو مقصدوں کے لیے ہوا کرتی تھی ذکر و عبادت کے لیئے یا تدبّر و تفکّر کے لئے۔ اس وقت گھر میں بیٹھ رہتے اور مکان کے تمام سوراخ بند کر لیتے تھے تاکہ شور کا اندیشہ نہ رہے۔

۲۱۔ حضرت بدیع الدینؒ مولوی محمد حسن صابری اپنی کتاب تواریخ آئینہ تصوف (مطبوعہ رام پور ۱۳۱۱) کہ جس کی اکثر روایات کی بنیاد وجدان اور کشف پر ہے، میں تحریر کرتے ہیں :-

"اس سلسلۂ خاص (طیفوریہ بایزیدؒ) میں خلیفہ اکبر حضرت بایزیدؒ کے حضرت شاہ بدیع الدین ہیں"

عام تذکرے اور تاریخیں چونکہ حضرت بدیع الدینؒ کے بارے میں خاموش ہیں لہٰذا مفصّل تعارف ممکن نہیں ہے۔

۲۲۔ شیخ سہلگیؒ تذکرے شیخ سہلگیؒ کے مکمل نام و نسب اور حالات زندگی پر بھی کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالتے۔ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت بایزیدؒ کے ان ساتھیوں اور عقیدت مندوں سے تھے کہ جنہوں نے آپ کے اقوال کو محفوظ کیا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں حضرت عیسٰی بسطامیؒ کی ایک روایت بیان ہوئی ہے۔ جس میں کہتے ہیں کہ میں تیرہ سال حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں رہا مگر میں نے ان کی کوئی بات نہیں سُنی۔ ان دنوں عادت مبارک

یہ تھی کہ اپنے زانو پر سر رکھا ہوتا تھا جب سر اٹھاتے تو سرد آہ بھرتے اور پھر اسی حالت پر لوٹ جاتے۔

اس واقعہ کی توجیہہ شیخ سہلگیؒ نے پیش کی ہے اور وہ درست بھی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر حضرت بایزیدؒ کے احوال پر تحقیقی تھی۔ توجیہہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ حالت روحانی انقباض کی تھی ورنہ "بسط" کی حالت میں تو ان سے بہت سے افادات و فرمودات کا اظہار ہوا ہے۔ کتاب کارنامہ بزرگانِ ایراں کہ جسے نشریہ ادارہ کل انتشارات و رادیو نے نشر و شائع کیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت بایزیدؒ کے اقوال و ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب موجود ہے کہ جو شیخ سہلگیؒ سے منسوب کی جاتی ہے۔

کارنامہ بزرگان ایران میں تحریر ہے کہ حضرت بایزیدؒ کے بہت زیادہ شاگرد اور عقیدت مند تھے کہ جن میں سے اکثر بسطام کے قرب و جوار کی بستیوں میں سکونت پذیر تھے چند مزید نام جو انہوں نے گنوائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۲۳۔ حضرت خطاب طرزیؒ

۲۴۔ حضرت ابو منصور جلینویؒ

۲۵۔ حضرت محمود کوہیانیؒ

۲۶۔ حضرت محمد راعیؒ

۲۷۔ حضرت عبداللہ یونابادیؒ۔

۲۸۔ حضرت ابوبکر اصفہانیؒ آپؒ بھی حضرت سلطان العارفینؒ کے فیضِ صحبت اٹھانے والوں میں سے نامور بزرگ ہیں۔ حضرت شیخ ابوبکر کلاباذیؒ نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:۔

"میں اصفہان سے حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں تین بار حاضر

ہُوا۔ پہلی بار دو ماہ ان کے ہاں ٹھہرا رہا اور تیسری بار تو پورے چھ مہینے وہاں گذارے۔ آپؒ کے ہاں ہر رات کم سے کم تیس آدمی مہمان ہوتے تھے اور اکثر تو اس سے بھی زیادہ ہو جاتے۔ آپ سب کی خدمت کرتے مگر خود ان کے ساتھ کچھ نہ کھاتے۔ خلوت کے لئے ایک مکان تھا، جہاں عشا کی نماز پڑھ کر چلے جاتے تھے اور ذکر و عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔" (شرح تعرف)

(ب) حضرت بایزیدؒ کی مقبولیت

حضرت بایزیدؒ جس طرح اپنے زمانے کے بزرگوں میں مقبول و محترم تھے اسی طرح بعد میں آنے والے تمام مشائخ و اکابر نے انہیں اپنا روحانی پیشوا سمجھا ہے، اور ان کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں۔

بایزید۔ حضرت گنج بخش کی نگاہ میں حضرت سید علی ہجویریؒ کہ جن کی ذات بابرکات "ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما" کی حیثیت رکھتی تھی، حضرت سلطان العارفین بایزیدؒ کی عظمت روحانی کے بڑے معترف تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں انہیں بڑا شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت بایزیدؒ کی بیان کردہ روایات بہت بلند درجہ رکھتی ہیں اور آپ تصوّف کے دس مشہور ائمہ میں سے ایک ہیں۔ بلاشبہ آپ سے پہلے کسی کو اس علم کے حقائق میں اتنا ملکہ نہ تھا۔"

شیخ عطار کا خراجِ عقیدت: شیخ فریدالدین عطارؒ خود صاحب حال بزرگ

تھے اور انہوں نے اولیائے کرام اور مشائخ عظّام کا تذکرہ مرتّب کیا ہے۔ وہ حضرت بایزیدؒ کا تعارف ان شاندار الفاظ میں کراتے ہیں :-

"آں خلیفۂ الٰہی، آں دِعامۂ نامتناہی، آں سلطان العارفین، آں حجۃ الخلائق اجمعین، آں بختۂ جہاں ناکامی..... شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اکبر مشائخ و اعظم اولیا بود و حجت خدائے بود و خلیفہ حق بود و قطب عالم بود و مرجع اوتاد و ریاضات و کرامات وحالات وکلمات اورا اندازہ نبود۔ در اسرار و حقائق نظرے نافذ و جدّے بلیغ داشت و دائم در مقام قرب وہیبت بود، غرقۂ انس و محبت و پیوستہ تن در مجاہدہ و دل در مشاہدہ داشت"۔ (تذکرۃ الاولیاء)

ترجمہ: خلیفہ الٰہیہ کے عہدہ جلیلہ پر سرفراز، عظمت روحانی کے لامتناہی ستون، سلطنتِ عرفاں کے سلطانِ وقت، ساری مخلوق کے لئے سراپا حجت، جہانِ ناکامی کے لئے طالع بخت وسعادت حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ مشائخ اور اولیاء میں سے بزرگ ترین شخصیت، حجتِ خدا، خلیفہ حق، مرجع اوتاد اور اپنے زمانے کے قطب عالم تھے۔ ان کے احوال، ریاضتیں، کرامتیں اور معرفت بھرے کلمات بے اندازہیں۔ اسرار و حقائق میں دُور رس نظر اور سعی مشکور کے مالک تھے۔ آپ ہمیشہ قرب و ہیبت کے مقام میں اور بحرِ الفت میں غرق رہتے تھے۔ اپنے تن کو ہر وقت مجاہدے میں اور دل کو مشاہدے میں رکھتے تھے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

حضرت بایزیدؒ اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ برصغیر پاک و ہند کے مشہور چار سلسلوں میں سے ایک ہے اور یہ سلسلہ امر و نہی اور احکامِ شریعت کی

پابندی میں سب سے بڑھ کر ہے۔ حضرت بایزیدؒ اس سلسلے کی اہم کڑی ہیں بلکہ شیخ المشائخ ہیں۔ سلسلے کا شجرہ طیبہ حسب ذیل ہے :-

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمود ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ علی رامتینی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ باباسماسی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ المشائخ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمدؒ زاہد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

بایزیدؒ — سب طبقوں کی مقبولیت

حضرت بایزیدؒ سلسلہ کے لحاظ سے اگرچہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کے مقتدا اور مرشد ہیں لیکن باقی سب روحانی سلسلوں کے مشائخ نے بھی انہیں سر اور آنکھوں پر جگہ دی ہے اور آپ سب میں یکساں مقبول ہیں۔ جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رقمطراز ہیں

"لاجرم ہمہ فرقہا ویرا پذیرفتہ اند" (نفحات الانس)

ترجمہ: تحقیق تمام فرقوں کے لوگوں نے آپ کی پذیرائی کی ہے یعنی آپ کو دنیائے روحانیت کا پیر و مرشد تسلیم کیا ہے۔

مقبولیت کے اسباب اور مستشرقین

حضرت بایزیدؒ کی مقبولیت میں بیشتر ان کی شخصی خوبیوں کا حصہ ہے کہ جو ان کو پیشوا کی حیثیت سے ممتاز بناتی ہیں، وہی خوبیاں کہ جو عاشق رسول علامہ اقبالؒ نے میرِ کارواں کے لئے تجویز کی ہیں، یعنی نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جان پرسوز۔

مزید براں یقین محکم و عمل پیہم، تقویٰ و طہارت اور عشقِ الٰہی و اتباعِ سنت میں یکتائے زمانہ تھے۔ مخلوقِ خدا کے ساتھ جس شفقت کا برتاؤ آپ کیا کرتے تھے وہ لوگوں کو گرویدہ بنا دیتا تھا۔ ارادت و انابت اور جذب و محبت دونوں طریقوں پر عمل تھا۔ اس لئے تصوف و طریقت میں جس طرح ہمہ جہتی راہنمائی آپ کر سکتے تھے

کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔

مستشرقین نے بھی حضرت بایزیدؒ کی مقبولیت کا شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے حسبِ عادت نیش زنی کرتے ہوئے اس مقبولیت کو ایرانیوں تک محدود کر دینے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً پروفیسر نکلسن لکھتا ہے:-

"حضرت بایزیدؒ عجمی تصوّف کے پیرو محض اس وجہ سے بن گئے ہیں کہ وہ درحقیقت پورے پورے عجمی اور ایرانی تھے اور اپنے ملک کے مذہبی ولولوں کے پوری طرح نمائندہ تھے۔ انہوں نے تصوّف میں غالی وحدت الوجودی نظریات کو داخل کر دیا۔" (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی)

مستشرقین کی عام عادت ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے عموماً تحقیق کے رنگ میں بدلہ لیتے ہیں اور علانیہ دشمنی کرنے کی بجائے چھپ چھپ کر وار کرتے ہیں۔ وہ پہلے تعریف کرتے ہیں پھر درمیان میں کوئی ایسا شوشہ چھوڑ جاتے ہیں کہ جو ساری تعریف پر پانی پھیر دیتا ہے اور بادی النظر میں قارئین کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان کی تحقیقی کاوشوں کو قبول کرنے سے پہلے اچھی طرح پرکھ لیا جائے۔ کیونکہ بقول شاعر ؎

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

حضرت بایزیدؒ کے بارے میں پروفیسر نکلسن کا مندرجہ بالا بیان خلافِ واقعہ اور بڑا مغالطہ خیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت بایزیدؒ صرف ایران میں نہیں بلکہ عرب و عجم میں یکساں مقبول ہیں اور ان کے صوفیانہ افکار عرب و عجم کے علاقائی امتیاز سے

بہت بلند ہیں۔ ایرانی تصوف میں کسی قدر عشقِ مجازی اور شیعیت کا رنگ موجود ہے جبکہ حضرت بایزیدؒ کے ہاں ان چیزوں کا گذر کہاں؟

ان کے تصوّف اور طریقت کا سرچشمہ قرآن و سنت ہے اور ان کی تعلیمات پر عجمیّت کی پرچھائیں تک بھی نہیں پڑیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ان کی مقبولیت اور پذیرائی کا باعث ان کے اوصافِ حمیدہ اور قربِ الٰہی ہے۔ انہوں اپنی عظمت کا سکّہ دلوں پر یوں بٹھایا ہے کہ علم و معرفت کی جہاں کہیں بھی گفتگو ہوگی آپ بے اختیار یاد آئیں گے۔ اولیائے کرام کا جہاں تذکرہ ہوگا، یہ تذکرہ آپ کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا اس لئے کہ آپ گلشن روحانیت کے گلِ سرسبد اور عالمِ عرفاں کے ماہِ تاباں ہیں۔ جس قدر وسیع حلقہ ارادت اور جتنا زیادہ خراجِ عقیدت عرب و عجم میں آپ کے حصّے میں آیا ہے، بہت تھوڑے اور بزرگ ہوں گے جنہیں یہ نصیب ہُوا ہوگا۔

حق تو یہ ہے کہ جسے بھی معرفت سے تھوڑا بہت لگاؤ ہے وہ یقیناً آپ کا معتقد ہوگا اور جو شخص معرفت کا دعوٰی تو کرتا ہے اور سلطان العارفین سے حسنِ عقیدت نہیں رکھتا، وہ اپنے دعوٰی میں جھوٹا ہے اور اسے معرفت کی ہوا تک بھی نہیں لگی۔

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں ؎

(ج) باقیاتِ صالحات

سلسلہ طیفوریہ و بایزیدیہ: سلطان العارفین حضرت بایزیدؒ سے تصوف و طریقت کا اہم سلسلہ شروع ہُوا ہے جس سے نسبت کا شرف رکھنے والوں میں بڑی بزرگ ہستیاں شامل رہی ہیں کہ جو آسمانِ

طریقت کی مہر و ماہ تھیں۔ ان میں قابلِ ذکر حضرت ابوالحسن خرقانیؒ اور حضرت شاہ بدیع الدینؒ ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت بایزیدؒ کے اصل نام طیفور کی نسبت سے طیفوریہ اور مشہور کنیت بایزیدؒ کی نسبت سے بایزیدیہ کہلاتا ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویریؒ اس سلسلے کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اس سلسلے کا طریقہ (صحو کے مقابلے میں) غلبہ اور سُکر کا ہے، یعنی شاہدِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے عشق و محبّت کا غلبہ اور اس کے دیدار و مشاہدے کی سرمستی پر مبنی ہے۔ اس طریقے کے مشائخ اس امر پر متفق ہیں کہ طریقت کی اس راہ میں اقتداء ہمیشہ اس شخص کی کرنی چاہیے کہ جو احوال کی گردش سے خلاصی پائے ہوئے ہو اور جس کی طبیعت سُکر بر قائم اور استقامت اختیار کئے ہو۔"

(کشف المحجوب)

سلوک و طریقت کا بایزیدی طریقِ کار حضرت بایزیدؒ کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد اور ان کے طریقۂ طیفوریہ کے اعمال و اشغال کو سامنے رکھتے ہوئے طریقت و سلوک میں ان کا حسبِ ذیل طریقِ کار متعین ہوتا ہے۔ یہ طریقِ کار نقشبندیہ مجدّدیہ سلسلے سے گہری مشابہت رکھتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ حضرت بایزیدؒ بھی اسی سلسلے کے اکابر میں سے تھے۔

(۱) سب سے پہلے اساتذہ سے پورے ادب و احترام کے ساتھ علم سیکھا جائے اور اس سلسلے میں بالخصوص قرآن و سنّت کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے۔ حصولِ علم کا مقصد روپیہ پیسہ کمانا اور نام و نمود کی خواہش نہ ہو بلکہ کردار سازی، تعمیرِ سیرت

سے کم نہیں ہوتا۔ سچ ہے۔

حَسنَاتُ الاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ المُقَرَّبِین

(۴) مجاہدات کا آغاز کرنے اور تصوّف و سلوک کی راہ اختیار کرنے سے پہلے کسی شیخ طریقت کو اپنا مقتدا اور رہنما بنا لینا چاہیئے ورنہ بھٹکتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ عوارف المعارف میں حضرت بایزیدؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جس کا کوئی شیخ نہیں۔ اس کا شیخ شیطان ہے۔

شیخِ طریقت وہ ہونا چاہیے جو پوری طرح متبعِ شریعت اور آداب پیغمبر کا لحاظ رکھنے والا ہو کیونکہ حضرت بایزیدؒ تو ایسے شخص کو ہرگز ولی ماننے کو تیار نہیں ہوتے تھے کہ جو کسی ایک بھی سنّت کا تارک ہو۔ اذکار و اشغال میں اپنے شیخ کی راہنمائی حاصل کی جائے اور اپنی وارداتِ روحانی سے انہیں باخبر رکھا جائے۔ حضرت بایزیدؒ عموماً اسم ذات، "اللہ اللہ" کا ذکر کیا کرتے تھے اور ذکر جلی سے زیادہ ذکر خفی پر زور دیتے تھے۔ بہرحال ذکر الٰہی ہمیشہ حضور قلب کے ساتھ کرنا چاہیے اور بکثرت کرنا چاہیئے تاکہ قلب صیقل ہو کر مشاہدۂ حق کے قابل ہو جائے۔ اگر عقیدت مندوں کی کثرت کی وجہ سے اشغال میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو تو اُن سے کسی نہ کسی طرح کنارہ کشی کر لی جائے۔ اگر لوگوں کی عقیدت حد سے بڑھنے لگے تو شریعت کے اندر رہ کر کسی قدر ملامتیہ انداز بھی اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بڑی احتیاط لازم ہے ورنہ اپنی اور دوسروں کی گمراہی کا اندیشہ ہے۔

(۵) ترکِ دنیا اور قطع علائق کی نوعیّت رہبانیّت سے بالکل مختلف ہے۔ رہبانیّت میں تمام انسانی رشتوں کو توڑ کر انسانی آبادی سے دُور کسی غار وغیرہ میں انسان جا بیٹھتا ہے جبکہ حضرت بایزیدؒ کے ہاں ترکِ دنیا کا یہ تصوّر نہیں ہے۔ یہاں ترکِ دنیا سے مراد دنیا کے غلط اور بے اعتدالانہ استعمال سے پرہیز ہے۔ یہاں

دنیا ہمارا منتہائے مقصود نہیں بن جانا چاہیئے بلکہ یہ گوہر مقصود حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اسے ذریعہ ہی رہنا چاہیئے۔ لوگوں سے تعلقات قائم رکھے جا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ خدا سے تعلق قائم رکھنے میں حائل نہ ہوں۔ کسی سے محبّت ہو یا دشمنی اس کا محرک للّٰہیت کا جذبہ ہو یعنی ہم کسی سے محبت کریں تو خدا کے واسطے اور کسی سے ہمیں عداوت ہو تو صرف اس وجہ سے کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ حقوق العباد کو اچھی طرح ادا کرنا چاہیے اور مخلوق خدا کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنا چاہیئے۔

۶۔ حضرت بایزیدؒ کا طریقہ امید و رجا کا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی رحمت ایسا سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہ ہو۔ جب گنہگار لوگ ان کے پاس توبہ کے لئے آیا کرتے تھے تو آپ اُن کے سامنے خدا کی رحمت کا بیان فرمایا کرتے تھے لیکن اس امید و رجا کے ساتھ خشیتِ الٰہی کو بھی پوری اہمیّت دیا کرتے تھے۔

کشف المحجوب میں ہے کہ حضرت بایزیدؒ کے شاگرد رشید حضرت یحییٰؒ بن معاذؒ سے کہا گیا کہ آپ کا طریق عمل تو امید و رجا کا ہے لیکن معاملہ خائفین حق تعالیٰ کا سا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ ذکر و عبادت اور خشیتِ الٰہی کو ترک کرنا گمراہی ہے اور ایمان کی تکمیل اور توانائی اسی میں ہے کہ امید و رجا کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف بھی لاحق رہے کہ جو مومن کو تمام اعمال میں نہایت محتاط رکھتا ہے۔

۷۔ حضرت بایزیدؒ کی زندگی کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو عشقِ حقیقی کی سرمستی ہے۔ اکتسابی طور پر اس سے فیض یاب ہونے کی یہ صورت ہے کہ جس کام کے بارے میں پتہ چلے کہ شاہدِ حقیقی خداوند تعالیٰ یا اس کے پیارے رسولؐ نے اس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر فوراً لوگوں کی ملامت

کی پرواہ کئے بغیر عمل کیا جائے خواہ وہ کام بادی النظر میں درست بھی معلوم نہ ہوتا ہو یا اس کے کرنے سے مادی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور عمل کرتے وقت ہمیشہ یہ پیارا احساس رہے کہ اپنے محبوب کی تعمیل ارشاد کر رہا ہوں۔ جب محبوب کی پسند و ناپسند ہی محب کی پسند و ناپسند بن جائے تو محبت صادق ہے۔ اس لئے زندگی بھر اسی تگ و دَو میں رہنا چاہیئے کہ کون سے کام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور کن باتوں سے روکا ہے۔ کون سا کام رسولِ پاکؐ کیا کرتے تھے اور کون سا نہیں کیا کرتے تھے۔ کرتے تھے تو کس انداز سے کرتے تھے۔ جو کچھ معلوم ہوتا جائے اس پر پورے خلوص و محبت کے ساتھ عمل کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ حسن کارانہ انداز میں سرانجام دیا جائے۔ ایسا کرنے سے ایک عجیب قسم کا روحانی سرور حاصل ہوگا اور اسی کو سُکر کی ابتدائی حالت کہتے ہیں۔ یہ کیف و مستی بڑھتے جائیں گے اور توفیق الٰہی میسر رہی تو بالآخر مشاہدۂ حق کی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوگی، وہی نعمت کہ جس کا تذکرہ حدیث جبریلؑ کے مندرجہ ذیل جملے میں کیا گیا ہے۔

اَنْ تَعبد اللّٰه کانّك تراہ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: تو اس طرح خدا کی عبادت کرے کہ گویا تو خدا کا جلوہ کر رہا ہے۔

ملفوظات و ماثورات حضرت بایزیدؒ نے عالمِ بسط میں مجلسی زندگی گزاری تھی اور آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی خاصی زیادہ تھی اس لئے آپ کے بہت سے واقعات، احوال اور اقوال محفوظ ہو گئے ہیں۔ اقوال کی حفاظت میں اس محبت کا بھی بڑا حصہ ہے جو آپ کی ذات والاصفات سے عقیدت مندوں کو تھی۔ محبّ کو اپنے محبوب کی باتیں

بڑی عزیز ہوتی ہیں، اس کی زبان پر اکثر محبوب کا تذکرہ رہتا ہے۔ اسے سب کچھ بھول سکتا ہے لیکن اپنے محبوب کی باتیں کبھی نہیں بھولتیں۔ یہ اقوال تذکروں کی مختلف کتابوں مثلاً تذکرۃ الاولیاء، طبقات الصوفیہ اور رسالہ قشیریہ وغیرہ میں محفوظ چلے آتے ہیں۔

بعض شاگردوں اور عقیدت مندوں نے الگ طور پر بھی کتابیں تالیف کی ہیں جن میں حضرت سلطان العارفینؒ کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ النور من کلمات طیفورؒ

حضرت بایزیدؒ کے اقوال زریں پر مشتمل یہ کتاب حضرت شیخ سہلگیؒ سے منسوب کی جاتی ہے اور کتاب کارنامۂ بزرگان ایران کے مقالہ نگار کے بیان کے مطابق اس میں حضرت بایزیدؒ کی حکایات و ماثورات بیان کی گئی ہیں اور اقوال درج کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب محفوظ اور موجود ہے۔

۲۔ مذهب السلوک والسالکین۔

اس کتاب کے بارے میں مشہور جرمن مستشرق کارل بروکلمان اپنی کتاب (G AL) (تاریخ ادبیات عرب بزبان جرمن) میں رقمطراز ہے کہ یہ کتاب خود حضرت بایزیدؒ سے منسوب کی جاتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب خود انہوں نے تصنیف فرمائی۔ کارل بروکلمان نے یہ نہیں بتایا کہ اس کا کوئی مخطوطہ نسخہ کہیں موجود ہے یا نہیں صرف اس کی ایک شرح کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے کہ اس کی ایک شرح زاد السالکین جو علامہ علی بن احمد بن محمد الکزوانی الحموی المتوفی ۹۵۵ھ کی تالیف ہے اور اس شرح کا ایک مخطوطہ شہر گوتھا (جرمنی) کی لائبریری میں موجود ہے۔

باب سوم

در محبّت آنچہ می گوئیم اول می کنیم
پارۂ بیش است از گفتارِ ما کردارِ ما

○
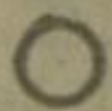
اقوال و احوال

ا۔ عشقِ الٰہی و محبّت خداوندی

حضرت بایزیدؒ کی زندگی عشقِ الٰہی، سوز و گداز، درد مندی اور رضا طلبی سے عبارت تھی۔ جب خدا سے لو لگائی تھی، اسی کے ہو رہے تھے۔ وادیٔ اُلفت میں قدم رکھا تو ان کے لئے رنج و راحت برابر ہو گئے۔ مصیبتیں جھیلتے تھے، دُکھ اُٹھاتے تھے اور غم سہتے تھے مگر لبوں پر کوئی حرفِ شکایت نہ لاتے تھے محض اس وجہ سے کہ یہ مصیبتیں بھی تو اسی کی راہ میں پیش آئی ہیں کہ جس سے محبّت کا دعویٰ ہے اور اس شرابِ محبّت کا خمار تھا کہ ہمیشہ رہتا تھا۔ شرابِ محبّت کے دریا پی گئے تھے اور وسعتِ ظرف کا یہ عالم تھا کہ تشنگی بجھنے کا نام نہ لیتی تھی۔ چنانچہ محبوب کی راہ کے کانٹے بھی انہیں پھولوں سے زیادہ عزیز تھے۔ اس کی محبّت میں سب کچھ لٹا دینا ان کا شعار تھا اور اس کی یاد میں اپنا سب کچھ بھلا بیٹھے تھے۔ وہ عبادت کرتے تھے اور بہت زیادہ کرتے تھے مگر عذاب و ثواب اور جزا و سزا کے تصوّر سے بلند تر ہو کر اور محض جذبۂ محبّت سے۔ انہیں نہ بہشت کی طمع تھی نہ دوزخ کا کھٹکا۔ احکام بجا لاتے تھے۔ تو صرف اس وجہ سے کہ محبوبِ حقیقی کا حکم ہے اور ڈر تھا تو یہی کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ حضرت بایزیدؒ نے خود اس حقیقت کی طرف اپنے متعدد اقوال میں اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویریؒ ان کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

> "اللہ تعالیٰ کی یکتا ذات سے عشق کرنے والے لوگ بہشت وغیرہ کی کوئی خواہش نہیں رکھتے اور ایسے اہلِ محبت اپنی محبت کی یکسوئی کے باعث مخلوقات سے پوشیدہ اور در پردہ رہتے ہیں۔" (کشف المحجوب)

چونکہ بے غرض عبادت کرتے تھے اس لئے اپنے حسنِ عمل کی وجہ سے

بڑے بڑے انعامات کے مستحق قرار پائے، وہی انعامات کہ جو خاصانِ خدا کا حصّہ ہے:

ے جس کا عمل ہے بے غرض، اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر (اقبالؒ)

حضرت بایزیدؒ عبادات، مجاہدات اور مالی قربانیوں میں سے جو کچھ کرتے تھے، اسے بڑا حقیر قرار دیتے تھے اور اس کے مقابلے میں خدا کی نعمتوں اور احسانوں کو بڑا گراں قدر سمجھتے تھے اور یہی محبت کی ادا ہے کہ محبوب کی تھوڑی سی چیز بھی مُحب کی نگاہ میں بہت زیادہ ہو۔ حضرت بایزیدؒ کا خود اپنا قول ہے۔

المحبة استقلال الكثير من نفسك واستكثار القليل من حبيبك۔ (رسالہ قشیریہ)

ترجمہ: محبت الٰہی یہ ہے کہ انسان (دنیا میں) اپنے بہت کچھ کو تو تھوڑا جانے (کیونکہ وہ فانی ہے) اور اپنے محبوب حقیقی کی جانب سے تھوڑی سی چیز کو بھی کہ جو عطا ہو بہت زیادہ سمجھے (کیونکہ وہ باقی اور مستقل ہے)

۲۔ تسلیم و رضا

عاشقانِ الٰہی کا اہم وصف تسلیم و رضا کا خوگر ہونا ہے۔ کامیابی ہو یا ناکامی آرام ہو یا دُکھ، وہ ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں کیونکہ تقاضائے محبت یہی ہے۔ بقول شاعر:

ے رشتہ در گردنم افگندہ دوست
ہر جا کہ می برد خاطر خواہ اوست

ترجمہ: میری گردن میں دوست کی رسّی پڑی ہوئی ہے۔ اب دوست کا دل جہاں چاہے، مجھے لے جائے۔

حضرت بایزیدؒ تسلیم و رضا میں معراج کمال کو پہنچے ہوئے تھے چنانچہ ان کا ارشاد ہے:

"کمال رضا من از و تا حدی است کہ اگر بندہ را جاوید بعلیین برآرد و مرا باسفل السافلین جاوید فرو برد من راضی تر باشم از آں بندہ۔" (تذکرۃ الاولیاء)

ترجمہ: میں تسلیم میں اس منزل پر پہنچ گیا ہوں کہ اگر خداوند تعالیٰ کسی شخص کو (میری جگہ) اعلیٰ علیین (فردوس بریں) میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جگہ دے اور مجھے ہمیشہ کے لئے اسفل السافلین یعنی جہنم کے انتہائی نچلے درجے میں پھینک دے تو میں اس شخص سے بھی بڑھ کر خدا سے راضی ہوں گا (اور شکایت کا ایک حرف تک زبان پر نہ لاؤں گا)

۳۔ ناز و نیاز

محبت میں ناز و نیاز کے انداز پیدا ہو جانے یقینی ہیں۔ حضرت بایزیدؒ بھی ناز اور نیاز دونوں کا اظہار کرتے تھے اور قرب اور عشق الٰہی کی جس منزل پر وہ تھے اگر وہ بھی ذات خداوندی سے ناز و نیاز نہ کرتے تو اور کون کرتا؟ نیاز مندی کا تو یہ عالم تھا کہ جہنم میں پھینکے جانے پر بھی حرف شکایت زبان پر لانے کا نہ سوچ سکتے تھے اور ان کے ناز کے انداز یہ تھے کہ ایک بار مناجات میں یہاں تک کہہ دیا:۔

"الٰہی! اگر تو مجھ سے ستر سال کا حساب مانگے گا تو میں تجھ سے ستر ہزار سال کے بارے میں پوچھوں گا کیونکہ آج ستر ہزار سال ہو گئے ہیں کہ تو نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کہا تھا اور بلیٰ (کیوں نہیں) کے جواب سے تمام مخلوق کو شور میں لایا تھا۔"

پھر حضرت بایزیدؒ نے فرمایا "یہ شور جو زمین و آسمان میں ہے، سب الست کے شوق کی وجہ سے ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء۔ افضل الفوائد)

یہ ناز و نیاز کے جوہر اکثر مناجات میں کھلتے ہیں چنانچہ کبھی کبھی یہ بھی کہا کرتے تھے جیسا کہ امام شعرانیؒ نے نقل کیا ہے:۔

"پالنے والے! تو نے اس مخلوقات کو بغیر ان کی واقفیت اور اطلاع کے پیدا کیا اور بغیر ان کے ارادے کے ایک امانت ان کے گلے میں ڈالی پھر اگر تو ہی ان کی مدد نہ فرمائے گا تو اور کون ان کی مدد کرے گا؟" (طبقات کبریٰ)

تذکرہ نگار تحریر کرتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حساب کتاب میں کیا گزری؟ ارشاد فرمایا:۔

"مجھ سے دریافت کیا گیا اے بوڑھے کیا لایا ہے؟ میں نے جواب دیا اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ کیا لایا ہے بلکہ اس سے تو یہ کہا جائے گا کہ بتا تو کیا چاہتا ہے؟" (سفینۃ الاولیاء)

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اس واقعہ کو ذرا مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جب حضرت بایزیدؒ سے وفات کے بعد پوچھا گیا اے مرد پیر تو کیا لایا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

"جب کوئی درویش کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو اس سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تو کیا لایا ہے بلکہ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ بتا تو کیا چاہتا ہے"۔ (نفحات الانس)

شیخ عطارؒ کے بیان کے مطابق انہیں مناجات میں یہ بھی کہتے سنا گیا:-

"بارالٰہا! یہ تو کچھ تعجب کی بات نہیں کہ میں تجھے دوست رکھتا ہوں، کیونکہ میں تو عاجز و محتاج بندہ ہوں عجیب تو یہ ہے کہ تو مجھے دوست رکھے جبکہ تو ارض و سما کا مالک ہے اور تیری ذات بے نیاز ہے"۔

۴۔ مشاہدۂ حق اور دیدارِ الٰہی

طریقت و تصوف کی منزل آخریں شاہدِ حقیقی کا مشاہدہ و دیدار ہے۔ دنیائے فانی کے اندر یہ دیدار دل کی آنکھوں ہی سے ممکن ہے اور اہل دل اور عاشقانِ صادق کی یہی منزلِ مراد ہے۔

ع دیدار ہے مطلوب و مقصودِ عاشق

حدیثِ جبریلؑ میں جس مقامِ احسان کی طرف اشارہ ہے وہ بھی دیدارِ حق ہے کہ جو عبادت اور حسنِ عمل کی معراجِ کمال ہے۔ عشقِ حقیقی کی دنیا بھی عجیب دنیا ہے کہ اس میں خدا فراموشی سے بچنے کے لئے خود فراموشی کو اختیار کیا جاتا ہے۔ ان عاشقوں کا دل ہے تو ہر خواہش سے خالی مگر محبت خداوندی سے معمور، زبان ہے تو یادِ الٰہی سے تر۔ ایسے لوگوں کی آنکھوں میں ذاتِ حق کے جلوے نہ ہوں تو اور کیا ہو؟ ؎

جمالك فی عینی وحبك فی قلبی وذکرك فی فمی فاین تغیب

ترجمہ: تیرا حسن و جمال میری نگاہوں میں ہے۔ تیری محبت میرے دل میں اور تیرا ذکر میرے لبوں پر ہے، پھر تو کہاں غائب ہو سکے گا؟

حضرت بایزیدؒ کا قول ہے:۔

"عارف کسی چیز سے بجز وصال خوش نہیں ہوتا۔ (تذکرۃ الاولیا۔ سفینۃ الاولیا۔)

حسنِ عبادت اور عشق الٰہی کی بدولت عارفوں کے دلوں کے حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ ایمان و ایقان کا نورِ بصیرت انہیں ارزانی ہوتا ہے اس طرح وہ تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ دیدارِ الٰہی ان کی روحانی غذا بلکہ خود روح ہے کہ جس کے بغیر زندگی ممکن ہی نہیں۔ عارفوں کی نگاہِ حقیقت میں وہی دن زندگی کے حقیقی دن ہیں کہ جو دیدار میں بسر ہوں اور وہ چند ساعتیں جو حسنِ ازل کے جلووں کے مشاہدہ میں گزر جائیں، چشمِ بینا میں حیاتِ جاوداں سے گراں قدر ہیں۔ حضرت بایزیدؒ ۷۴ سال کے تھے کہ کسی نے پوچھا آپ کی عمر مبارک کیا ہے؟

فرمایا صرف چار سال۔ وہ شخص سُن کر متعجب ہُوا تو وضاحت فرمائی کہ میرے ستر سال تو حجاب میں گزرے ہیں اور ہمارے ہاں حجاب کے سال عمر میں شمار نہیں کئے جاتے۔ چار سال ہونے کو ہیں کہ مشاہدۂ حق سے سرفراز ہوں۔"

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مشاہدۂ حق ہی ان عاشقانِ باصفا کی غذا اور قوتِ حیات ہے اگر اس سے وہ محروم ہو جائیں تو ان کا رشتہ حیات ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کا ایک قول ہے۔

"اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ دنیا و عقبیٰ میں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اگر محجوب ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں۔"

حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح اور ایمان کو مشاہدے کے دوام کے ساتھ مسرور و توانا رکھتا ہے اور یہی ان کی قوتِ حیات ہے اور لامحالہ جب ایک صاحبِ کشف و مشاہدہ محجوب ہو گا تو گویا وہ مردہ اور راندۂ درگاہ ہو گا۔" (کشف المحجوب)

شیخ فریدالدین عطارؒ کی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں یہ قول یوں ہے کہ اگر وہ لوگ محجوب ہو جائیں تو خدا کی طاعت و عبادت نہ کر سکیں یعنی محجوب ہو کر وہ زندہ رہ ہی نہیں سکتے لہٰذا عبادت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دنیا ہو یا آخرت ہر جگہ اسی نعمتِ دیدار کا حصول ان کا منتہائے مقصود ہے کیونکہ یہ خدا کے خوش ہونے اور اس کی رضا کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو ان کی زندگی، زندگی نہیں رہتی۔ اس نعمت کے مقابلے میں ان کی نگاہ میں باغِ بہشت بھی ہیچ ہے اور کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔

حضرت بایزیدؒ خود فرماتے ہیں:-

"خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر بہشت بریں بھی اپنی تمام تر زینتوں کے باوصف، دیدارِ خداوندی میں حائل ہو جائے تو وہ بہشت میں بھی اس طرح فریاد اور نالہ و فغاں کریں کہ جہنم کے ساتوں طبقوں کے لوگ ان کے گریہ و فغاں کو سن کر اپنا عذاب بھول جائیں۔" (رسالہ قشیریہ۔ تذکرۃ الاولیا۔ روض الریاحین)

شرح تعرفؔ میں حضرت بایزیدؒ کا قول یوں ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بہشت میں مجھے چشم زدن کے لئے بھی اپنے دیدارِ پُر انوار سے محجوب کر دے تو میں

اس طرح نالہ و فریاد کروں کہ جہنمیوں کو بھی مجھ پر ترس آنے لگے۔

۵۔ فنا فی اللہ و بقا باللہ

ع الا کل شیئٍ ما خلا اللہُ باطلُ (حضرت لبید رضؓ)

عشق الٰہی میں اپنی ہستی کو گم کر دینے اور اللہ کے سوا ہر چیز کو بھلا دینے کا نام فنا فی اللہ ہے اور اپنی ہر چیز کو فنا کر کے خدا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے کو تصوف کی اصطلاح میں بقا باللہ کہتے ہیں اور یہی معرفت کی تکمیل کا درجہ ہے۔

پروفیسر نکلسن اور انگریزی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کے بیان کے مطابق حضرت بایزیدؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فنا کو باقاعدہ اصطلاح کے طور پر پیش کیا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت بایزیدؒ سے عرفان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔

"مخلوقات کے احوال ہیں اور صاحبِ عرفان کا کوئی حال ہی نہیں ہے کیونکہ اس کے سارے آثار مٹا دیئے گئے ہیں اور غیر کی ہویت کے لئے اس کی ہویت نیست کر دی گئی ہے اور غیر کی نشانیوں کے لئے اس کی نشانیاں مٹا دی گئی ہیں"۔ (طبقات کبریٰ) رسالہ قشیریہ)

فنا اور بقا کی حالت میں ذاتِ الٰہی میں استغراق کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی ذات کو یکسر بھلا بیٹھتا ہے اور غیبت و شہود کے مراحل میں داخل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزیدؒ کے اُس واقعے سے ظاہر ہے کہ جب حضرت ذوالنون مصریؒ کا آدمی انہیں ملنے کے لئے آیا تو حضرت بایزیدؒ اس سے کہنے لگے کون بایزید؟

کہاں بایزیدؒ؟ ؟ مجھے تو مدت ہوئی کہ خود اس کی تلاش میں ہوں!

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ رسالہ العبودیہ میں فنا کے اقسام اور اس کے مراتب ومقامات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فنا کی تین قسمیں ہیں ایک فنا کا مقام وہ ہے جو انبیاء و اولیاء کاملین کو حاصل ہوتا ہے ایک وہ مقام ہے جو اُن اولیاء وصالحین کو حاصل ہوتا ہے جو کمال د ترقی کے اس درجہ پر نہیں ہوتے اور ایک مقام منافقین وملحدین اہل تشبیہ کا ہے۔

پہلا مقام یہ ہے کہ ماسوائے اللہ سے ایسی فنائیت حاصل ہو جائے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت، اللہ ہی پر توکل اور اللہ ہی کی طلب رہ جائے۔

شیخ بایزید بسطامیؒ کا یہ فقرہ جو منقول ہے کہ

لا اُرید اِلّا ما یرید (میں نہیں چاہتا مگر وہی جو وہ چاہتا ہے)

کا یہی مطلب لینا چاہیئے یعنی مراد وہی ہے جو خدا کا منشا و مرضی ہے اور اس سے مراد دینی ارادہ ہے۔ عبد کا کمال یہی ہے کہ اس کے اندر اسی کا ارادہ، اسی کی محبت اور اسی سے رضامندی رہ جائے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو اور جس کو وہ پسند کرے اور اس سے مراد اوامر و نواہی ہیں جن میں امر، وجوب یا استحباب ہو، یہ ملائکہ، انبیا وصالحین کا مقام ہے جس کو یہ مقام حاصل ہو، اس کو قلب سلیم کی دولت حاصل ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مزید فرماتے ہیں کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت یا غیر اللہ کے ارادے یا غیر اللہ کی محبت سے پاک ہو، اس کا نام فنا رکھا جائے یا نہ رکھا جائے یہی اسلام کی ابتدا و انتہا اور یہی دین

کا باطن وظاہر ہے۔" (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۲)

۶- قولِ سُبحانی کی تاویل وتوجیہہ

حضرت بایزیدؒ کے اس مشہور قول کی مختلف تاویلیں کی جاتی ہیں اور وہ حسبِ ذیل ہیں:-

ا- آپ نے یہ بات کہی تھی لیکن بعد میں توبہ کرلی تھی:-

حضرت امیر حسن علا سنجریؒ صاحب فوائد الفوائد بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت بایزیدؒ کے قول سبحانی کے بارے میں تردّد محسوس ہوا۔ پس میں نے اپنا تردد حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

"وقتی کہ او گفتہ بود سبحانی ما اعظم شانی بعد ازاں در آخر عمر مستغفر شد و گفت من ایں سخن نیکو نگفتم من جہودی بودم ایں ساعت زُنّار میگسلم و از سر مسلمان میشوم ومیگویم اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہد انّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ"۔
(فوائد الفوائد)

ترجمہ:۔ حضرت بایزیدؒ نے ایک موقعہ پر سبحانی کہہ دیا تھا، لیکن بعد ازاں آخری عمر میں استغفار کرلیا تھا اور کہا تھا کہ میں نے یہ کوئی اچھی بات نہیں کہی تھی۔ میں مجوسی ہو گیا تھا۔ اب زُنّار توڑتا ہوں اور از سرِ نَو حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہوں۔ تجدید ایمان کرتے ہوئے کلمہ شہادتین پڑھتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

(ب) آپ نے یہ بات کہی ہے لیکن غلبۂ سکر یا حالت فنا میں:

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ بات آپ نے غلبۂ سکر میں کہی ہو گی اور غلبہ سکر میں کہی ہوئی بات نہ قابلِ مواخذہ ہوتی ہے اور نہ لائق اعتنا۔ لہٰذا اُسے کلام السکاری سمجھ کر نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ شطحیات کبھی سنجیدہ غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہُوا کرتیں۔ سلوک کی راہیں طے کرتے کرتے جب انسان پر خود فراموشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ فنا کے درجے میں داخل ہو جاتا ہے تو بعض اوقات ایسی باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں جیسا کہ حضرت مجدّد الف ثانی رح رسالہ العبودیہ میں فرماتے ہیں:۔

"مشائخ صوفیہ کو بھی فنا اور سُکر کی ایسی کیفیتیں حاصل ہوئیں کہ ایسی حالت میں ان میں تعقّل و تمیز باقی نہیں رہی۔ اکثر ایسی حالت میں ان کی زبان سے ایسے کلمات بھی نکل جاتے جو ہوش میں آنے کے بعد ان کو صریحاً غلط معلوم ہوتے۔ شیخ بایزید بسطامیؒ، شیخ ابوالحسن نوریؒ اور شیخ ابوبکر شبلیؒ کو یہ چیزیں پیش آئیں۔" (تاریخ دعوت و عزیمت)

ج۔ آپ نے یہ بات اپنے بارے میں نہیں کہی بلکہ محض خدا کا قول نقل کیا ہے:۔

اکثر مشائخ عظام اور محقق علماء نے اس قول کی تاویل یہ کی ہے کہ آپ نے یہ بات اپنے بارے میں نہیں کہی بلکہ خدا کا قول نقل کیا ہے۔ آپ کے روحانی مرتبے، تواضع اور انکساری اور شریعت کی پابندی کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی توجیہہ درست اور صائب معلوم ہوتی ہے۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں تحریر کرتے ہیں کہ ہم حضرت بایزیدؒ کے متعلق یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ انہوں نے یہ کلمات

اپنے بارے میں کہے ہوں گے بجز اس کے کہ انہوں نے خدا کا قول نقل کیا ہو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح نے بھی مکتوبات شریف میں اس قول کو حکایت (یعنی خدا کا قول نقل کرنے) کے انداز میں لیا ہے اور اسی کو ترجیح دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

د۔ اس قول کے الفاظ میں تبدیلی ہو گئی ہے:۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت بایزید رح نے جو الفاظ کہے تھے وہ یہ تھے۔

سبحانی من اعظم شانی۔

ترجمہ: میرے خدا کی پاک ذات ہے کہ جس نے میری شان کو بلند کیا ہے۔

درحقیقت سننے والے شخص سے قول کے الفاظ میں غلطی ہوئی جس سے غلط فہمی پیدا ہو گئی حالانکہ اصل الفاظ میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔

ھ۔ اس قول کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ جو بایزید رح کی طرح صاحب حال ہو:۔

امام عبدالوہاب شعرانی .... طبقات کبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو علی جوزجانی رح سے ان الفاظ کے بارے میں پوچھا گیا جو حضرت بایزید رح کی نسبت منقول ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت بایزید رح کے صاحبِ حال ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور شاید انہوں نے انتہائے غلبہ یا سُکر کی حالت میں وہ الفاظ کہے ہوں اور جو شخص حضرتِ بایزید رح کے مقام تک پہنچنا چاہے اس کو حضرت بایزید رح جیسا مجاہدہ کرنا چاہیے۔ اُس وقت وہ اُن کے کلام کو سمجھ سکتا ہے۔

بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

بزبان ہر کہ خبر من برود حدیث عشقت
چوں معاملہ ندارد سخن آشنا نباشد

۶- آپ نے یہ بات کہی ہی نہیں:

بعض علماء کے نزدیک یہ بات حضرت بایزیدؒ نے سرے سے کہی ہی نہیں بلکہ آپ کے مخالفین میں سے کسی نے یا کسی نادان عقیدت مند نے یہ قول آپ سے منسوب کر دیا ہے۔ اس موقف کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت بایزیدؒ پر بہت سے اتہام باندھے گئے ہیں جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے شیخ الاسلام کا قول نقل کیا ہے کہ جنہوں نے فرمایا ہے:

"بر بایزیدؒ فراواں دروغہا بستہ اند۔" (نفحات الانس)

ترجمہ: لوگوں نے حضرت بایزیدؒ پر بے شمار جھوٹ باندھے ہیں۔

فاضل مستشرق پروفیسر نکلسن نے تصریح کی ہے کہ شیخ الاسلام سے مراد ہرات کے مولانا عبداللہ الانصاری المتوفی ۴۸۱ھ ہیں۔ ملاحظہ ہو جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی)

۷- ذکر و فکر

عام قاعدہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان اسی کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ اس کی یاد ہمیشہ دل میں بسی رہتی ہے اور زبان پر اکثر اس کا ذکر جاری رہتا ہے۔ محبوب کے تذکرے میں مزا بھی سوا ملتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ اس کی یاد میں پہر دو پہر نہیں بلکہ پوری زندگی ہی گزار دی جائے۔

بقول شاعر ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

بعض لوگوں کی تو یہ محض تمنّا اور آرزو ہوتی ہے کہ جو شرمندۂ عمل نہیں ہو پاتی لیکن حضرت بایزیدؒ تھے کہ ان کی زندگی کے شب و روز ہی اسی حالت میں گزرتے تھے اللہ کا ذکر و فکر تھا اور وہ پوری زندگی ہی اسی سے عبارت تھی۔

حضرت عیسیٰ بسطامیؒ کہتے ہیں:۔

"میں تیرہ سال شیخ بایزیدؒ کی صحبت میں رہا مگر شیخ سے کوئی بات نہیں سُنی۔ عادت مبارک یہ تھی کہ زانو پر سر رکھا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی سر مبارک اٹھاتے تھے، ٹھنڈی آہ بھرتے اور پھر پہلی حالت پر لوٹ جاتے۔"

شیخ سہلاکی کی وضاحت کے مطابق یہ حالت ذکر و فکر میں روحانی انقباض کی تھی اور حالتِ بسط میں گفتگو بھی کیا کرتے تھے اور زبان مبارک سے ذکر الٰہی کرتے تھے اور علم و معرفت کے موتی بکھیرتے تھے اور جو کچھ کہتے تھے منشائے الٰہی کے مطابق کہتے تھے۔ یہی مطلب اس کے اس قول کا ہے۔ جس میں انھوں نے فرمایا: "چالیس سال ہونے کو ہیں کہ میں نے مخلوق سے کوئی بات نہیں کی یعنی جو کچھ کہا ہے، خدا سے کہا ہے جو کچھ سُنا حق تعالیٰ سے سُنا ہے۔" (شرح تعرّف)

معرفت اور ذکرِ الٰہی لازم و ملزوم ہیں خود حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں:۔

"جو شخص خدا کی معرفت رکھتا ہے وہ اپنی زبان ذکرِ الٰہی کے سوا کسی بات کے لئے نہیں کھولتا۔"

ذکر اُٹھتے بیٹھتے، لیٹے اور سوتے ہر حالت میں ہونا چاہئے۔ خداوند تعالیٰ نے کسی عبادت کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن ذکر کے لئے کثرت

کا حکم ہے۔

تذکرۃ الاولیاء میں آپ کے ذکرِ الٰہی کی کیفیتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پیر عمرؒ کہتے ہیں کہ آپ جب خلوت کے خواستگار ہوتے تو مقصد عبادت اور ذکر و فکر ہوتا تھا۔ اس وقت گھر میں بیٹھ رہتے، مکان کے سارے دروازے اور سوراخ بند کر لیتے اور فرمایا کرتے "اندیشہ ہے کہیں آواز یا شور و غل مخل نہ ہو" حالانکہ یہ محض بہانہ ہوتا تھا کیونکہ انہیں اس قدر حضورِ قلب میسّر تھا کہ کوئی آواز اُن کے ذکر میں خلل انداز نہیں ہو سکتی تھی اور اسی طرح وہ اتنی آہستگی کے ساتھ ذکر کرتے تھے کہ دوسروں کے آرام میں خلل پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب بھی ذکر لسانی کرتے۔ تین تین پانیوں سے منہ کو پاک کیا کرتے تھے خود فرماتے ہیں:-

"تیئس ۲۳ سال ہونے کو ہیں کہ جب بھی حق تعالیٰ کو یاد کرنا چاہتا ہوں تو زبان اور منہ کو تین پانیوں سے تعظیم خداوندی کی وجہ سے دھو لیتا ہوں۔"

کبھی کبھی تو یوں بھی ہُوا کہ ذکرِ الٰہی کے لئے خانقاہ کی دیوار پر ساری رات گزار دی مگر زبان سے رب العزّت کے ہیبت و جلال کی وجہ سے ایک لفظ تک ادا نہ کر سکے۔ زبان سوکھی ہوئی اور بدن کا رواں رواں لرزاں و ترساں ہوتا، کبھی یہ خیال ستانے لگتا کہ اس زبان پر کس طرح خدائے تعالیٰ کا پاک نام لاؤں کہ جس پر کبھی کبھی نازیبا الفاظ بھی آجایا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا:-

"کل رات میں صبح تک یہ کوشش کرتا رہا کہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الاّ اللہ زبان سے ادا کروں مگر اپنی تمام تر کوشش کے باوجود یہ کلمہ مجھ سے ادا نہ ہو سکا۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے اپنے بچپن کا کہا ہُوا ایک

جملہ یاد آتا رہا۔ چنانچہ مجھ پر اس سے اتنی وحشت طاری ہوئی کہ
میں ذکر الٰہی نہ کر سکا۔" (عوارف المعارف)

پھر آپ سوچئے کہ اس کی تلافی کی بھی تو یہی صورت ہے کہ اس کے ساتھ خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا جائے۔

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک ذکر کی کثرت محض تعداد پر منحصر نہیں بلکہ حضورِ قلب اس کی شرطِ اولین ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ذکر کثیر عدد کے ساتھ نہیں بلکہ حضور اور عدم غفلت کے ساتھ ہے۔"

۸۔ شکر گزاری و احسان شناسی

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ خود انسان کا اپنا وجود خالقِ کائنات کا رہینِ منّت ہے مزید براں قدرت نے انسان کی ہدایت کے لئے جو محیّر العقول انتظام کیا ہے وہ تو اتنا بڑا احسان ہے کہ انسان اگر عمر بھر شکر گزاری کرتا رہے تو اس کا شمہ برابر حق ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن افسوس انسان نہایت ہی ناشکرا واقع ہوا ہے جیسا کہ قرآنِ پاک نے بھی تبصرہ کیا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْد۔ (۱۰۰/۶)

ترجمہ:۔ بے شک انسان اپنے پالنے والے کا ناشکرا ہے۔

اسے تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کو یاد کرنے لگ جاتا ہے اور جب تکلیف دُور ہو جاتی ہے تو بالکل بھول جاتا ہے۔ جس قدر نعمتیں زیادہ ملتی جاتی ہیں اتنا وہ زیادہ مغرور ہوتا جاتا ہے اور منعمِ حقیقی کو بھولتا جاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نعمتیں اس لیے عطا فرمائیں کہ ان کے ذریعے سے وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں مگر افسوس وہ اُن میں پھنس کر اس کو ہی بھول بیٹھے!"

مزید فرمایا: "چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ازلی ہیں، اس لیے اس کا شکر بھی ازلی ہونا چاہیے۔" (طبقات کبریٰ)

حضرت بایزیدؒ نے یہ بھی تلقین کی ہے کہ جب کوئی شخص تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو فوراً سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کیونکہ اُسی نے ہی لوگوں کے دلوں کو تمہارے لئے نرم کر دیا ہے۔" (طبقات الصوفیہ)

۹۔ نالۂ شوق و آہِ سحر گاہی

حضرت بایزیدؒ عاشق صادق تھے اور عاشقوں کے ہاں سوزِ عشق میں تڑپنا اور پیچ و تاب کھاتے رہنا ہی سچے عشق کی علامت ہے۔ اسی میں ان کو مزا ملتا ہے اور وہ اسے ایسی نعمت سمجھتے ہیں کہ اس کو دے کر دنیا و جہان کی تمام نعمتوں کو لینے پر امادہ نہیں ہوتے۔ حضرت بایزیدؒ کہا کرتے تھے:۔

"اگر آٹھوں بہشت ہمارے لئے کشادہ کر دیئے جائیں اور دونوں جہان ہمیں جاگیر میں دے دیئے جائیں تو ہم ایک نالۂ شوق اور آہِ سحر گاہی کو کہ جو اس کی یاد و محبت میں سحر کے وقت کرتے ہیں، دینے کو تیار نہ ہوں بلکہ ہم تو اٹھارہ ہزار عالم کو اس ایک دم کے برابر نہیں سمجھتے کہ جو اس کی یاد میں لیا جائے۔" تذکرۃ الاولیاء)

اسی مفہوم کی ایک رباعی ہے کہ جو شیخ الاسلام حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ المتوفی ۶۶۱ھ کی زبان مبارک پر رہتی تھی اور آپ اکثر گنگنایا کرتے تھے۔

دریاد تو اے دوست چناں مدہوشم
صد تیغ اگر بزنی بخسروشم
آہے کہ بزنم بیادِ تو وقتِ سحر
گر ہر دو جہاں دہند واللہ لفروشم

ترجمہ: اے محبوب تیری یاد میں، میں اس قدر مدہوش ہوں کہ اگر سو تلواریں بھی تو مار دے تو سر کو ذرا حرکت نہ دوں ایک آہِ سرد جو بوقتِ سحر تیری یاد میں کھینچتا ہوں، اگر اس کے بدلے دونوں جہاں مجھے دے دیئے جائیں تو بخدا ہرگز نہ بیچوں گا۔

۱۰۔ دُعا و مناجات

عبادات میں سے جس چیز کے ذریعے تعلق باللہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے، وہ دُعا اور مناجات ہے۔ دُعا اور مناجات کے ذریعے عبد اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے اپنی ضروریات، حاجات اور مشکلات پیش کرتا ہے اور اسی سے ہی مدد کا خواہاں ہوتا ہے۔ اسی کے سامنے گڑگڑاتا اور فریاد کرتا ہے اور وہ ذات ایسی کریم ہے کہ اگر اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے جائیں تو خالی نہیں لوٹاتی۔ اس کے خزانے ہیں کہ جن میں کسی چیز کی کمی نہیں اور خرچ کرنے پر وہ کبھی خالی نہیں ہو سکتے دنیا کے آقا مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا آقا ہے کہ اس سے اگر نہ مانگا جائے تو روٹھ جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎

اللہ یغضب ان ترکت سوالہ
وابنُ اٰدم حین یُسال یغضبُ

دنیا میں جتنے بھی بزرگ ہو گزرے ہیں دعا و مناجات ان کا معمول تھا بلکہ

جتنا کوئی زیادہ مقرّب اور بلند مرتبہ ہوتا تھا، اتنا وہ زیادہ دُعا و مناجات میں مشغول رہتا تھا کیونکہ دُعا و مناجات ہی سکونِ قلب، روحانی ارتقا اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ حضرت بایزیدؒ بھی مقرّبِ بارگاہ تھے اور وہ اپنا زیادہ وقت دعا و مناجات ہی میں گزارتے تھے۔ ان کی کئی مناجاتیں، نازونیاز کے عنوان کے تحت بیان کی جاتی ہیں۔ جس الحاح و ابتہال تضرّع و اضطرار اور سوز و گداز کے ساتھ وہ دعا و مناجات کرتے تھے۔ وہ انہی کا حصّہ ہے۔ کئی لوگ ان کے پاس دُعا منگوانے کے لئے حاضر ہُوا کرتے تھے۔ اس وقت آپ کی عاجزی قابلِ دید ہُوا کرتی تھی۔ فضا میں ارتعاش سا پیدا ہوتا اور درد میں ڈوبے ہوئے دُعا کے الفاظ اُبھرتے۔

"پالنے والے! یہ تیرے ہی بندے ہیں تو ہی ان کا خالق و مالک ہے میں درمیان میں کون ہوتا ہوں کہ تیرے اور تیری مخلوق کے درمیان میں واسطہ بنوں۔ بارِ الٰہا تو ان پر رحم فرما!"

کتاب تعرّف میں شیخ ابوابراہیم کلاباذیؒ نے حضرت بایزیدؒ کی ایک پُردرد مناجات نقل کی ہے کہ جو آپ کے ایثار اور انسان دوستی [illegible] ثبوت ہے۔ مناجات کے الفاظ یہ ہیں:-

الٰهی اسالك من جميع الدنيا والاخرة خلتين اما تجعلنی بدلاً ممن قد الزمتهم بعذاب من جميع البشر او تهبهم لی فان عذبتنی بدلاً منهم فان ذالك منی القليل فی جنب حبّی اياك وان وهبتهم لی فانّ ذالك لقليل فی جنب رحمتك۔

ترجمہ:۔ بارِ الٰہا! دنیا و آخرت میں سے صرف دو چیزوں کا تجھ

سے سوال کرتا ہوں یا تو مجھے فدیہ بنا لیجیے۔ ان لوگوں کے لئے کہ جو تیرے ہاں عذاب کے مستحق ہیں یا وہ لوگ مجھے بخش دیجئے ان کے بدلے میں عذاب دیا جائے تو یہ اس محبت کے مقابلے میں جو مجھے تمہاری ذات سے ہے، کچھ بھی نہیں اور اگر مجھے وہ لوگ بخش دو تو تمہاری بے پایاں رحمت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات کوئی بڑی معلوم نہیں ہوتی۔

(شرح تعرّف)

۱۱۔ پرہیزگاری و خداترسی

جتنا کوئی شخص روحانیت میں بلند ہوتا ہے اتنا ہی وہ زیادہ خدا سے ڈرتا، اس کی نافرمانی سے بچتا اور اس کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے۔ علمائے ظاہر میں اکثر اسی چیز کا فقدان ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ دوسروں کے لئے مذہب سے منافرت کا باعث بنتے ہیں۔ لوگ نہ صرف اُن سے متنفر ہوتے ہیں بلکہ دین ہی سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ وہ دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں مگر سوزِ یقین سے خالی، عمل کرتے ہیں مگر روحِ عمل سے محروم، اس طرح وہ مذہب کو رسمی چیزوں کا گورکھ دھندا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے برعکس صوفیائے کرام تقویٰ کو پوری شرائط و آداب کے ساتھ اختیار کرتے ہیں اور اخلاق حسنہ اور اپنے حسنِ عمل کے ذریعے اپنی زندگیوں کو پرکشش بنا لیتے ہیں کہ لوگ ان کی طرف کھچے کھچے چلے آتے ہیں۔ جتنا وہ قریب آتے ہیں اتنا ان کی عقیدت، یقین اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تبلیغ کا میدان ہمیشہ ان پاکباز بزرگوں کے ہاتھ رہا ہے۔

حضرت بایزیدؒ صوفی تھے اور تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے اس سلسلے میں ان کی کئی حکایات بیان کی جاتی ہیں۔

مثلاً ایک روایت ہے کہ ایک بار ایک جنگل میں آپ نے اپنی قمیض دھوئی اب اسے سکھانے کے لئے فکرمند ہوئے۔ اُن کے ایک ساتھی نے کہا کہ انگور والی دیوار کے ساتھ لٹکا لیجئے۔ فرمایا نہیں۔ دوسرے لوگوں کی دیوار میں کیوں کیل گاڑیں۔ وہ بولا پھر بیل پر ہی لٹکا دیجئے۔ کہنے لگے نہیں، اس سے تو ٹہنیاں ٹوٹ جائیں گی پھر اس ساتھی نے تجویز کیا کہ اذخر گھاس پر ہی بچھا دیجئے فرمایا اس پر کیسے بچھائیں یہ تو چوپایوں کے چارے کا کام دیتا ہے۔ اگر کپڑا ڈال دیں گے تو چوپائے اسے دیکھ نہیں سکیں گے اور بھوکے رہ جائیں گے۔

پھر انہوں نے قمیض لی اور اسے اپنی پشت پر ڈال دیا اور سورج کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے۔ جب ایک طرف خشک ہو گئی تو دوسری طرف الٹ لی اور اس طرح اسے خشک کر لیا۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت بایزیدؒ نہ صرف خود اس قدر زیادہ احتیاط اور تقویٰ پر کاربند تھے بلکہ دوسروں کو بھی یہی تلقین کیا کرتے تھے چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ کوئی عمل سکھا دیجیے کہ جو میری نجات کا ضامن ہو۔ ارشاد فرمایا دو باتیں یاد رکھ لو اور علم سے تمہارے لئے یہی کچھ کافی ہے۔

(۱) اچھی طرح جان لو کہ خدا تم سے پوری طرح باخبر ہے، جو کچھ تم (علانیہ یا خفیہ) کرتے ہو۔ اسے وہ دیکھ رہا ہے۔

(۲) اس بات کا بھی تمہیں علم رہے کہ خداوند تعالیٰ تمہارے عمل سے بے نیاز ہے، جو کچھ تم نیکی کرتے ہو وہ تم اپنے ہی فائدے کے لئے کرتے ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے کوئی نصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:۔

"آسمان کی طرف نگاہ کرو۔ اس نے نگاہ کی تو فرمایا، جانتے ہو یہ کس نے پیدا کیا؟ اس نے جواب دیا، ہاں!"

پھر فرمایا:۔

"تو پھر اچھی طرح یاد رکھو کہ جس ذات نے یہ آسمان پیدا کیا ہے، جہاں کہیں تم ہو گے وہ تمہارے حال سے باخبر ہے۔ پس ہمیشہ اس سے ڈرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو۔"

۱۲۔ ایثار و قربانی

ایثار و قربانی اہم اخلاقی وصف ہے لیکن یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس میزان پر وہی لوگ پورے اترتے ہیں کہ جو عشق میں سرمست اور ہمت اور دل والے ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کا کھیل کھیلتے ہیں مگر جیتنے کے لئے نہیں بلکہ ہارنے کے لئے۔ وہ نقصان اُٹھا لیتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ وہ بھوکے رہتے ہیں تاکہ دوسروں کو کھانا ملے۔ ان پاکباز لوگوں کی زندگیاں اس قرآنی آیت کی عملی تفسیر پیش کرتی ہیں:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۵۹/۹

ترجمہ: اور وہ ایثار کرتے ہیں خواہ انہیں خود اس چیز کی ضرورت ہو۔

حضرت بایزیدؒ بھی انسانیت کے ان عظیم محسنوں میں سے ایک تھے کہ جن کی زندگیاں ایثار و قربانی کا مرقع ہوا کرتی ہیں۔

تسلیم و رضا اور ایثار و قربانی میں آپ کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں:۔

"اگر مجھ کو تمام مخلوق کے بدلے میں آتشِ جہنم میں پھینک دیا جائے تو بھی صبر کر لوں گا کیونکہ مجھے حق تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے۔"

اس کے باوجود میں یہ سمجھوں گا کہ میں نے ہنوز کچھ بھی نہیں کیا اور محبت کا جو حق تھا وہ مجھ سے ابھی ادا نہیں ہوا۔ اگر اللہ تعالیٰ میرے اور ساری مخلوق کے گناہ بخش دے تو اس کی رحمت سے یہ کچھ بعید نہیں ہے بلکہ یہ اس کے ہاں کوئی بڑی بات ہی نہیں ہے۔" (افضل الفوائد۔ تذکرۃ الاولیاء)

بزرگانِ دین کے تذکروں میں تحریر ہے حضرت حاتم اصمؒ (المتوفی ۲۳۷ھ) نے اپنے مریدوں سے فرمایا وہ شخص ہرگز میرے مریدوں میں سے نہیں کہ جو روز قیامت دوزخیوں کی سفارش نہیں کرے گا۔

حضرت بایزیدؒ کے سامنے اس قول کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

"میں تو یہ کہتا ہوں کہ میرا مرید وہ ہے کہ جو دوزخ کے کنارے بیٹھ جائے اور جب کوئی شخص دوزخ میں پھینکا جائے، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بہشت پہنچا دے اور خود اس کی جگہ دوزخ میں چلا جائے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

۱۳۔ قناعت و توکل

ہم جیسے ہوا و ہوس کے بندوں کو ہمیشہ اپنے پیٹ کی پڑی رہتی ہے۔ ہم خدا کو رازق عقیدے کے طور پر تو سمجھتے ہیں لیکن ہم اسباب اور تلاش معاش میں دوڑ دھوپ پر اس قدر زیادہ زور دیتے ہیں کہ خدا کی رزاقیت کا یہ تصور دھندلا سا جاتا ہے جبکہ کچھ لوگ اگرچہ وہ تھوڑے ہی سہی، ایسے ضرور ہو گزرے ہیں کہ جن کے لئے پیٹ ہی سب کچھ نہ تھا اور وہ ہمیشہ خدا کے بھروسے پر رہتے تھے۔ خدا ان کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ پیدا کر دیتا تھا۔ کبھی وہ محنت مزدوری

کر لیتے اگر کچھ مل جاتا تو دوسروں کو ساتھ ملا کر کچھ کھا لیتے جس سے زندگی کا سلسلہ باقی رہ سکے۔ نہ ملتا تو صبر و شکر کر کے سو رہتے۔ بلاشبہ یہی لوگ تھے جو اپنے قناعت و توکل کے ذریعے دنیادار علماء پر ایک بھرپور طنز ثابت ہوئے ہیں۔

"تذکرۃ الاولیاء میں ایک واقعہ تحریر ہے کہ ایک بار حضرت بایزیدؒ نے ایک امام مسجد کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر جب آپ فارغ ہوئے تو امام صاحب نے پہلا سوال جو پوچھا وہ یہ تھا "حضرت! آپ کوئی کام کاج کرتے دکھائی نہیں دیتے کھاتے کہاں سے ہیں؟ اور آپ کا پیشہ کیا ہے؟"

آپ نے سنا تو فرمایا "ذرا ٹھہریئے، میں نماز دوبارہ ادا کر لوں پھر جواب دوں گا۔ امام صاحب نے پوچھا یہ نماز دوبارہ کیوں؟

"فرمایا اس لئے کہ جو شخص روزی دینے والے خدا کی معرفت سے محروم ہے اس کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی"۔

عوارف المعارف میں شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ سے پوچھا گیا ہم آپ کو روزی کماتے ہوئے نہیں دیکھتے، آپ کے معاش کا آخر بندوبست کیا ہے۔

انہوں نے جواب میں فرمایا:-

"میرا مولیٰ اگر کتے اور سور کو رزق پہنچا سکتا ہے تو کیا تمہارے خیال میں بایزیدؒ کو رزق مہیا نہیں کرے گا؟"

حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک کفن چور حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں آیا اور اپنے فعل سے توبہ کی۔ حضرت بایزیدؒ نے اس سے دریافت فرمایا "تم نے کتنے مردوں کے کفن اتارے ہیں؟"

اس نے جواب دیا "حضرت! قریب قریب ایک ہزار!"

حضرت بایزیدؒ نے مرید پوچھا کہ ان مُردوں میں سے کتنوں کے چہرے قبلہ رُخ تھے۔ وہ کہنے لگا صرف دو مُردے ایسے تھے کہ جو قبلہ رُو تھے باقی سب کے چہرے رُخِ قبلہ سے پھر گئے تھے۔ حاضرین مجلس نے حضرت بایزیدؒ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ صرف دو آدمی رُو بقبلہ تھے اور باقی سب قبلہ سے پھرے ہُوئے تھے۔ ارشاد فرمایا!

"یہ دو شخص ایسے تھے کہ جو حق تعالیٰ پر بھروسہ کرتے تھے اور دوسرے ایسا نہیں کرتے تھے۔" (فوائد الفواد)

۱۴۔ با محمدؐ ہوشیار باش!

رسولِ پاکؐ سے والہانہ شیفتگی ایمان کا اہم تقاضا ہے کیونکہ جب تک اس ذات پاک سے محبت نہ ہو کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

سردارِ دو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں:۔

لایومنُ احد کم حتی اکونَ اَحبَّ الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میری ذات اسے اپنے والدین، اولاد بلکہ انسانوں سے عزیز تر نہ ہو جائے۔

محبت ہمیشہ ادب و احترام کا مطالبہ کرتی ہے چنانچہ جس قدر کوئی شخص ایمان اور ولایت میں بلند ہو گا وہ اتنا ہی سرکار رسالتؐ کا زیادہ ادب و احترام کرے گا۔

حضرت بایزیدؒ بڑے فخر کے ساتھ اعتراف کیا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ

حاصل کیا ہے وہ مجھے آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ادب سے حاصل ہوا ہے۔ ان کے سنّت نبوی اور آداب رسولؐ کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جو شخص ان میں سے کسی ایک جزو کے ترک کا مرتکب ہوتا وہ ان کی نگاہوں سے گر جاتا تھا جیسا کہ قبلہ رُو تھوکنے والے شخص کے واقعے سے ظاہر ہے کہ جسے آپ نے اس حرکت کے بعد سلام کرنا بھی گوارا نہ فرمایا تھا۔ کسی ولی کی ولایت اور عارف کے عرفان کو پرکھنے کے لئے یہی کسوٹی تھی، جو اس پر پورا اترتا اسے آنکھوں پر بٹھاتے اور اس کی عزت افزائی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے۔ خود بھی ہر وقت اور ہر حالت میں سرکار رسالتؐ کے آداب کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے حتیٰ کہ حالتِ سُکر میں بھی اس پہلو سے ہوشیار رہتے تھے۔ چنانچہ جس قدر انہوں نے زیادہ ادب کیا اتنا زیادہ مرتبہ بھی حاصل کیا اور جو کچھ ادب کی وجہ سے مانگ نہیں سکے وہ بھی انہیں بن مانگے اس ادب کے طفیل مل گیا۔

خود فرماتے ہیں:-

"میں نے ارادہ کیا کہ بارگاہ رب العزت سے سوال کروں کہ مجھے وہ عورتوں کے جھنجھٹ اور ہجوم سے اور کھانوں کے ذخیرے سے بے نیاز کر دے مگر پھر خیال آیا کہ میرے لیے ایسا سوال کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ رسول پاکؐ نے ہرگز ایسا سوال نہیں کیا۔ پس میں خاموش رہا اور آنحضرتؐ کے پاس ادب کی وجہ سے سوال نہیں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مہربانی فرمائی اور مجھے عورتوں سے بے نیاز کر دیا یہاں تک کہ اب مجھے احساس تک ہی نہیں ہوتا کہ سامنے عورت ہے یا کوئی دیوار۔" (رسالہ قشیریہ)

۱۵۔ شریعت و طریقت

شریعت اور طریقت ایک دوسرے کی مخالف ہرگز نہیں جیسا کہ بعض سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے دائرۂ عمل میں ظاہرہ اعمال آتے ہیں اور طریقت ان اعمال میں خلوص، حُسن اور نکھار پیدا کرتی ہے اور اس لحاظ سے اس کا شریعت کے باطنی پہلو سے کبھی نہ ٹوٹنے والا تعلق ہے۔ حدیث جبرائیلؑ میں جس مقام احسان کی طرف مجمل اشارہ ہے، طریقت اسی کی تفصیل اور عملی تشریح کا نام ہے۔ طریقت کے ذریعے ہی سے حسن کارانہ انداز پیدا ہوتا ہے اور عبادات پُر کیف ہو جاتی ہیں اور اب وہ رسمی چیز یا بے روح عمل نہیں رہتیں۔ با ایں ہمہ دین میں حُجت شریعت ہی ہے اور جو طریقت، شریعت کی راہ سے ہٹ کر ہو وہ قابلِ اعتماد نہیں ہے بلکہ وہ گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضرت بایزیدؒ خود پابندِ شریعت تھے اور اُن کے نزدیک وہی طریقت سچی طریقت ہے کہ جس میں شریعت کی پوری پوری پابندی کی جاتی ہو۔ آپؒ پابندئ شریعت ہی کو معیارِ ولایت قرار دیتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:۔

"اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ صاحب کرامات ہے اور وہ ہوا میں اُڑتا ہُوا بھی نظر آئے تو ہرگز دھوکے میں نہ آجانا بلکہ اچھی طرح دیکھ لینا کہ وہ اوامر و نواہی کی ادائیگی اور شریعت کی پابندی میں کیسا ہے؟ یعنی اگر پابندِ شریعت ہے تو وہ ولی ہے اور اگر پابندِ شریعت نہیں تو وہ ہرگز ولی اور شیخ طریقت نہیں ہو سکتا۔" (وفیات

الاعیان۔ رسالہ قشیریہ)

؎ بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باُو نرسیدی تمام بولہبی است (اقبالؒ)

۱۶۔ کشف و کرامت

اس امر میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اولیاء اللہ کو کشف و کرامت حاصل ہے، کیونکہ انہیں قرب خداوندی نصیب ہوتا ہے۔ جس طرح سرکاری ملازم کا دفاع کرنا سرکار کا فرض ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا مخالفوں کے مقابلے میں دفاع کرتا ہے اور ان کے ہاتھوں پر کرامتیں ظاہر کر دیتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ ولیوں کی کرامتوں کے حصے مختلف طور پر چار اسموں سے ملا کرتے ہیں: الاوّل[۱]۔ الآخر[۲]۔ الظاہر[۳]۔ الباطن[۴] اور ولیوں میں سے ہر فریق کے لئے ان میں سے ایک اسم مخصوص ہوتا ہے۔ لیکن جو اسماء کی ملابست کے بعد، ان سے فنا ہو گیا وہی پورا کامل ہے۔ پس جو الظاہر والے ہیں۔ وہ قدرت کے عجائبات دیکھا کرتے ہیں اور جو الباطن والے ہیں وہ جو کچھ دلوں کے اندر گزرتا ہے اس کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ الاوّل جن کے حصے میں آیا ہے، ان کا شغل گذشتہ واقعات ہیں اور اسم الآخر والے آئندہ واقعات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ پس اس شخص کے سوا جس کی تدبیر کا کفیل حق تعالیٰ ہوتا ہے، ہر ایک کا مکاشفہ اس کی طاقت کے انداز سے ہوتا ہے۔"

(طبقات کبریٰ۔ رسالہ قشیریہ)

ولی خواہ کتنا عظیم المرتبہ ہو وہ نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا اور اسی

طرح ولیوں کو جو کچھ ملا ہے۔ وہ نبیوں کے مقابلے میں بہت ہی کمتر ہے جیسا کہ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں:۔

"جو کچھ ولیوں کو ملا ہے، اس کی نسبت اس سے کہ جو نبیوں کو ملا ہے ویسی ہے کہ ایک مشک شہد سے پُر ہو اور اس سے کچھ رستا ہو پس جو کچھ مشک کے اندر ہے وہ انبیا علیہم السلام کا حصہ ہے اور جو قطرات ہیں وہ اولیائے کرام کے لئے ہیں"۔

(طبقات کبریٰ)

اکابر اولیاء کشف و کرامت کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے اور ان کے عام اظہار اور ان میں منہمک ہو جانے کو بُرا خیال کرتے ہیں کیونکہ کشف اور کرامت ترقی درجات میں رکاوٹ کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں:۔

حضرت بایزید بسطامیؒ اور شاہ شجاع کرمانیؒ نے سلوک کے پچاس درجے رکھے ہیں۔ ان میں سے دسواں درجہ کشف و کرامات کا ہے۔ جو کوئی دسویں درجے میں پہنچ جائے۔ وہ ان کے نزدیک کرامت اور مکاشفہ کر سکتا ہے۔ لیکن خواجگانِ چشت کے نزدیک سلوک کے پندرہ درجے ہیں۔ ان میں پانچواں درجہ کشف و کرامت کا ہے اگر کوئی شخص پانچویں درجے میں کشف کر دے تو باقی دس درجوں کو نہیں پہنچ سکتا۔ مردِ کامل تو وہ ہے کہ جب وہ پندرھویں درجہ پر بھی پہنچ جائے تو بھی کشف نہ کرے"۔

(افضل الفوائد)

حضرت بایزیدؒ صاحب کرامات بزرگ تھے اور ان کے لئے سلوک کے

درجوں کا سوال بھی نہیں لیکن انہوں نے بہت کم کشف و کرامات کا اظہار کیا۔ کبھی کبھی جب مخالفین و معاندین کی مخالفت بڑھ جاتی تو آپ کی ولایت اور صداقت کے اعلان کے طور پر کرامتیں ظہور میں آجاتی تھیں۔ کرامتوں کے ظہور سے آپ کو چنداں مسرت نہ ہوتی تھی کیونکہ آرزو کی تکمیل، عشق کے زوال کی علامت ہے جبکہ آرزو کا پورا نہ ہونا اور ہمیشہ تڑپتے رہنا عاشقی کی معراج ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے واقعات میں ہے کہ ایک دفعہ آپ صحرا میں بیٹھے تھے۔ عقیدت مند ساتھ تھے۔ جی میں آیا کہ ہرن کا گوشت کھایا جائے۔ چنانچہ عقیدت مندوں سے کہنے لگے، "جی چاہتا ہے کہ ہرن ہوتا تو اسے بھون کر کھاتے۔" اتنے میں ایک ہرن جو کڑیاں بھرتا ہوا آیا اور آکر سامنے بیٹھ گیا۔ عقیدت مندوں نے یہ کرامت دیکھی تو بڑے حیران ہوئے مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت بایزیدؒ بیٹھے رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، "میں تو مردود ہو گیا ہوں۔" عقیدت مندوں نے عرض کیا: "حضرت! یہ تو آپ کی مقبولیت کی علامت ہے کہ آپ نے خواہش کی اور خدا نے اس آرزو کو پورا کر دیا۔"

ارشاد فرمایا: "نہیں یہ مقبولیت نہیں ہے۔ یہ تو مردود ہونے کی علامت ہے۔ محبوب حقیقی نے اپنے محبوں کی آرزوئیں کب پوری کی ہیں؟ اسے تو اپنے چاہنے والوں کو تڑپا کے ہی مزا آتا ہے۔"

مزید فرمایا یفعل اللّٰہ باولیاء فی الدار الدنیا ما یفعل اللّٰہ باعدائہ فی الدار الاخرۃ (خداوند تعالیٰ اپنے اولیاء سے دنیا میں وہ سلوک کرتا ہے جو دشمنوں کے ساتھ آخرت میں کرے گا یعنی بلا و عذاب

میں مبتلا رکھتا ہے)

ولی کی شناخت کے لئے کرامت سے زیادہ پابندی شریعت کو دیکھنا چاہیئے. کیونکہ خلوص اور حسن عمل ہی سے قربِ خداوندی اور ولایت وغیرہ نصیب ہوتے ہیں. حضرت سیّد علی ہجویری گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ ولی کون ہوتا ہے؟

آپ نے نہایت جامع اور بلیغ الفاظ میں جواب دیا۔

''سچا ولی وہ ہوتا ہے جو نفس کا بندہ نہ ہو اور صبر و تحمّل کے ساتھ خدا کے اوامر و نواہی کی تعمیل کرے''۔ (کشف المجوب)

شریعت کی پابندی کے بغیر اگر کوئی شخص ولی ہونے کا دعویدار ہو تو وہ جھوٹا ہے خواہ اس سے کتنے خوارق عادت کا اظہار ہی کیوں نہ ہو جاتے۔ حضرت بایزیدؒ کی نگاہ میں ایسے خوارق اور کرامات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ حضرت بایزیدؒ سے کہا گیا کہ فلاں شخص رات ہی رات میں مکّہ پہنچ جاتا ہے تو فرمایا: ''تعجّب کی کیا بات ہے، شیطان اللہ تعالیٰ کی لعنت میں شکار ہو کر گھڑی بھر میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔'' مزید آپ سے کہا گیا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے اور ہوا میں اڑتا ہے۔ فرمایا: ''مچھلی اور لکڑی کا ٹکڑا بھی تو تیرتا رہتا ہے اور پرندے بھی تو ہوا میں اڑتے رہتے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ)

سچے ولیوں کی پہچان یہی ہے کہ وہ شریعت کے پوری طرح پابند ہوتے ہیں اور اپنی ولایت کو اخفا میں رکھتے ہیں۔ وہ اپنی ولایت اور کرامت کا ڈھنڈورا کبھی نہیں پیٹتے اور نہ اپنی معرفت کی ڈینگیں مارتے ہیں۔

حضرت بایزیدؒ اپنے اس قول میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:۔

اولیاء اللہ عرائس اللہ ولایری العرائس اِلّا المحرمون فھم مخدورون عندہٗ فی حجاب الانس لایراھم احدٌ فی الدنیا ولافی الآخرۃ۔ (رسالہ قشیریہ۔ طبقات کبریٰ)

ترجمہ: اولیاء اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں اور دلہنوں کو محرم لوگوں کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا پس وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اُنس کے پردے میں پردہ نشین ہیں اور دنیا و آخرت میں کوئی (غیر محرم) انہیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت گنج بخش رح لکھتے ہیں کہ جس طرح اولیاء کا مرتبہ عام مخلوق کے فہم و ادراک سے مخفی ہے۔ ویسے ہی انبیاء کا مرتبہ اولیاء کی رسائی سے مخفی ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزیدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ انبیا کے حال میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے جواب دیا:۔

"افسوس ہم کو ان کے احوال میں کوئی دخل و تصرف نہیں ہے۔ ہم اپنی سطح پر رہ کر جو کچھ ان کے متعلق خیال کرتے ہیں، وہ بہت پست ہوتا ہے اور وہ سب ہم ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نفی اور اثبات اور صفات باطنی کو ایسی بلندی اور ایسے شجرۂ پوشیدہ میں رکھا ہے، جہاں مخلوق کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔" (کشف المحجوب)

۱۷۔ علم و عرفان

علم حضرت بایزیدؒ اکتسابی علم سے فائدہ اٹھانے کے پوری طرح حق میں تھے لیکن ترجیح علم لدُنی کو دیتے تھے۔ ان کے نزدیک علم وہی ہے کہ جس میں معلوم سے خبر دینے والے کا پتہ چل سکے یعنی عرفان حق نصیب ہو۔ مزید آپ علم پر عمل

کرنے کو نہایت ضروری قرار دیتے تھے۔ اگرچہ یہ کام ان کے نزدیک خاصا محنت طلب ہے۔

حضرت بایزیدؒ سے معرفت کے بارے میں سوال کیا گیا **معرفت کیا ہے؟** تو انہوں نے یہ آیت پڑھ دی۔ (رسالہ قشیریہ)

ان الملوك اذا دخلوا قوية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة۔ ۲۷/۳۴

ترجمہ: جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے سرداروں اور طاقتور لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

غالباً حضرت بایزیدؒ کا اس قول سے مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ ملکہ بلقیس میں یہ بادشاہوں کے طرزِ عمل کے بارے میں جو شعور و ادراک تھا وہی معرفت ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ معرفت کی وجہ سے انسان اپنی ہویت، کو خدا کی ہویت میں فنا کر دیتا ہے۔ ایک اور قول میں حضرت بایزیدؒ نے فرمایا:

"معرفت یہ ہے کہ تو اچھی طرح جان لے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کی توفیق کی رہینِ منت ہیں"۔ (کشف المحجوب)

تحیر بھی معرفت کے مقامات میں سے ہے اور جتنی حیرانی بڑھے گی، اتنی معرفت فزوں ہوگی۔ شرح تعرف میں تحریر ہے کہ حضرت بایزیدؒ دعا مانگا کرتے تھے یا دلیل المتحیرین زدنی تحیراً (اے حیرت زدہ لوگوں کے راہنما! میری حیرت کو زیادہ کیجئے۔)

فضیلتِ معرفت: حضرت بایزیدؒ نے فرمایا:-

"دل میں معرفت کی شیرینی کا ذرہ، فردوس بریں کے ایک ہزار محلوں

سے بہتر ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

عارف کی صفات حضرت بایزیدؒ سے سوال کیا گیا کہ عارف کی کیا صفت ہے تو فرمایا کہ جو دوزخیوں کی صفت ہے کہ نہ اس میں جیتے ہیں اور نہ مرتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ مخلوقات کے احوال ہیں اور عارف کا کوئی حال ہی نہیں ہے کیونکہ اس کے سارے آثار مٹا دیئے گئے ہیں اور غیر کی ہویت کے لئے اس کی ہویت نیست کر دی گئی ہے اور غیر کی نشانیوں کے لئے اس کی نشانیاں مٹا دی گئی ہیں۔ (طبقات کبریٰ۔ رسالہ قشیریہ)

حضرت بایزیدؒ نے عارف کی علامتیں بتاتے ہوئے ایک بار فرمایا:
"عارف وہ ہے کہ اللہ کے ذکر میں کبھی وقفہ نہیں ڈالتا، اس کے حق کو ادا کرنے سے کبھی نہیں اکتاتا اور اس کے سوا کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ (طبقات الصوفیہ)

عارف کے عزائم: حضرت بایزیدؒ کا ارشاد گرامی ہے:۔
"عارف وہ ہے کہ جو بجز وصل اور دیدار الٰہی کسی چیز پر رضامند نہ ہو۔" (سفینۃ الاولیاء)

مقاماتِ عارف حضرت بایزیدؒ کا قول ہے کہ عارف کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی صفات و اخلاق سے آراستہ ہو اور عارف کا درجہ کمال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سوزِ محبت میں پیچ و تاب کھاتا رہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

فرائض عارف حضرت بایزیدؒ نے بتایا: "کم سے کم جو چیز عارف کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مال اور ملکیت سے اظہارِ بیزاری کرے۔ اور حق تو یہ ہے کہ اگر دونوں جہان بھی محبت الٰہی میں قربان کر دے تو بھی یہ

بہت تھوڑا ہے۔" تذکرۃ الاولیاء)

بقول شاعر؎ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے حضرت بایزیدؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کس چیز کے ذریعے سے حاصل کی تو فرمایا:۔

"بھوکے پیٹ اور ننگے بدن یعنی سادہ پھٹے ہوئے لباس کے ذریعے سے۔ (وفیات الاعیان طبقات الصوفیہ۔ رسالہ قشیریہ)

آپ نے مزید فرمایا:۔

"معرفت پانے والوں نے جو کچھ معرفت پائی وہ اپنی تمام چیزوں کے ضائع کر دینے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ملی ہوئی چیز پر قائم رہنے کے ذریعے سے۔" (رسالہ قشیریہ۔ طبقات الصوفیہ)

معرفت و ذکر حضرت بایزیدؒ کے نزدیک معرفت اور ذکر لازم ملزوم ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: کہ جو شخص بھی خدا کو جانتا پہچانتا ہے وہ یادِ حق کے سوا کبھی زبان نہیں کھولتا۔" (تذکرۃ الاولیاء)

معرفت و طریقت میں بہتر چیز حضرت بایزیدؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کے لئے معرفت اور طریقت میں کیا چیز بہتر ہے تو فرمایا دولت مادرزاد یعنی یہ نعمت پیدائشی طور پر نصیب ہو۔ لوگوں نے کہا اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر؟ فرمایا تنِ توانا (تاکہ مجاہدات اور ریاضات کئے جا سکیں) لوگوں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ ہو تو فرمایا گوشِ شنوا (تاکہ ان کے ذریعے معرفت سیکھی جائے) اس پر لوگوں نے پھر کہا کہ یہ بھی نہ ملے تو فرمایا دلِ دانا (تاکہ اپنی

بصیرت اور فراست سے معرفت حاصل کی جاتی ہے) لوگ پھر بولے اور کہا کہ اگر بد قسمتی سے یہ بھی نہ ہو تو فرمایا: چشم بینا (تاکہ دیکھنے والی آنکھ کے ساتھ مظاہر قدرت کو دیکھ کر نصیحت اور عبرت حاصل کی جا سکے)

اس کے بعد بھی لوگوں نے سوال کیا کہ اگر یہ بھی حاصل نہ ہو تو فرمایا:۔

"تو پھر مرگِ مفاجات ۔ یعنی پھر مر جانا بہتر ہے"۔

حضرت بایزیدؒ کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:۔

"زندگی علم میں ہے، راحت، معرفت میں ہے اور رزق، ذکر میں ہے"۔

۱۸۔ تزکیۂ نفس و طہارتِ قلب

اپنے نفس اور دل کی اصلاح اور پاکیزگی کے بغیر روحانیت پیدا نہیں ہو سکتی ۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے مجاہدات کے ذریعے تزکیۂ نفس کو ضروری قرار دیا ہے ۔ نفس امّارہ ہمیشہ برائی کی طرف اکساتا رہتا ہے لہٰذا اس کی مخالفت ہی میں خیر و مصلحت ہے ۔ ارشاد قدرت ہے ۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۹۱/۹

ترجمہ: جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا ۔ اس نے فلاح پائی ۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے بارگاہِ خداوندی میں مناجات کی اور عرض کی کیف الوصول الیک ؟ (آپ تک میں کیسے پہنچوں) ندا آئی اے بایزید طلق نفسک ثلاثا ثم قل اللہ ۔

(طبقات کبریٰ)

ترجمہ: پہلے اپنے نفس کو تین بار طلاق دے دے اور پھر ہمارا ذکر کر ۔

حضرت بایزیدؒ کو نفس سے اس قدر مخاصمت ہو گئی تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اگلے جہاں میں فرمائے کہ کوئی آرزو ہے تو بیان کرو، تو میں عرض کروں گا۔

"پالنے والے! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں دوزخ میں جاؤں اور اس نفس کو اس آگ میں ایک غوطہ دے آؤں کیونکہ اس کی وجہ سے مجھے دنیا میں بہت سی مصیبتیں اٹھانی پڑی ہیں۔"

(شرح تعرّف)

حضرت بایزیدؒ سے ان کے مجاہدات کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

"جو مجاہدات میں نے کئے ہیں، اگر بیان کروں تو اس کے سننے کی تاب نہ لا سکو گے۔ بہر حال ایک معمولی سا مجاہدہ بیان کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آدھی رات کو میرے دل میں آیا کہ باقی رات یادِ الٰہی میں جاگوں گا۔ میرے نفس نے مخالفت کی۔ اس پر میں نے قسم کھائی کہ اے نفس تو نے مجھے دھوکہ دیا اور عبادت میں میرا یار نہیں ہوا۔ تیری سزا یہ ہے کہ تجھے ایک سال تک پانی نہ دوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور سال برابر پانی نہ پیا۔"

(وفیات الاعیان۔ افضل الفوائد)

تزکیۂ نفس کے لئے حضرت بایزیدؒ نے بھوکے رہنے اور ذکر کرنے کو بھی اختیار کیا ہے اور اسی کی دوسروں کو تلقین کی ہے کیونکہ بھوکے رہنے اور ذکر کرنے سے نفس کا زور ٹوٹتا ہے اور دل صاف ہوتا ہے اور انسان میں نورانیت اور ملکوتی صفات پیدا ہو جاتی ہیں، کیونکہ فرشتے بھی کھائے پیئے بغیر ذکر کرتے رہتے ہیں۔

بھوکے رہنے کا ایک باضابطہ طریقہ روزوں کی شکل میں تمام الہامی مذاہب میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ ذکر اور طہارتِ قلب کے تعلق کو واضح کرنے کے لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مقدس حدیث پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ ہر چیز کے صاف کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے، دل کے زنگار اور کدورتوں کو صاف کرنے کے لئے بھی ایک چیز ہے اور وہ ذکرِ الٰہی ہے۔

۱۹۔ اکلِ حلال و صدقِ مقال

جائز ذرائع سے حلال طور پر کما کر کھانا اور سچ بولنا شرفِ انسانیت کا بنیادی تقاضا ہے اور اس کے بغیر روحانی ارتقا کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ سب مشائخ طریقت اکل حلال اور صدق مقال پر ہمیشہ زور دیتے رہے ہیں۔ حرام خور کی نہ کوئی عبادت کسی اجر کی مستحق ہے اور نہ اس کی کوئی دعا شرف قبول حاصل کر سکتی ہے۔ عصرِ حاضر میں روحانیت کے فقدان اولیاء اللہ کے قحط الرجال اور دعاؤں کے مقبول نہ ہونے کی اور وجوہات کے ساتھ ساتھ حرام کھانا اور اکلِ حلال کی طرف توجہ نہ دینا، ایک وجہ ہے، چغلخوری، سود خواری، فرائض منصبی سے غفلت، کام چوری، غیبت اور رشوت ہمارے معاشرے کا جز بن چکے ہیں۔ ہماری کوئی محفل اس وقت تک پوری طرح نہیں جمتی جب تک اس میں کسی کی غیبت مزے لے لے کر نہ کی جائے حالانکہ اسلام نے اسے مردہ بھائی کے گوشت کو کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ اسی طرح رشوت کو ہم لوگ شیرِ مادر سمجھ کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ بلا شبہ ہم بزرگوں سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں لیکن افسوس! صد

افسوس !! ہمارے اور ان کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ بزرگ کھانے پینے اور گفتار میں جس احتیاط سے کام لیتے تھے، ہم اس کا تصوّر تک بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت بایزیدؒ کے اکلِ حلال کا یہ عالم تھا کہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے اور ماں نے شبہ کا ایک لقمہ کھا لیا تو اس وقت تک پریشان رہے اور ماں کو بھی بے چین کئے رکھا جب تک اس نے قے کر کے اس لقمے کو اُگل نہ دیا۔ اور پھر جب ایک بار ان کے شاگرد حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ نے آبِ زمزم سے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکا کر بھیجیں تو آپ نے واپس کر دیں صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا آٹا کہاں سے اور کس ذریعے سے آیا تھا۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا؟

۲۰۔ بے نیازی و پاکبازی

عجمی تصوّف میں ایک عیب نگاہِ انتقاد میں ہمیشہ کھٹکتا رہا ہے اور وہ ہے عشقِ مجازی یعنی حسن پرستی اور امردوں اور عورتوں کے بارے میں دلچسپی۔

حضرت بایزیدؒ اگرچہ عجمی اور ایرانی تھے مگر ان کا دامن ہر قسم کے شبہات سے ہمیشہ پاک رہا ہے اور ان کے کسی بڑے سے بڑے دشمن کو بھی اس سلسلے میں کبھی انگشت نمائی کا موقع نہیں مل سکا۔ آپ اتنے پاکباز تھے کہ ان کی شرافت، عفّت اور پاکبازی کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ حضرت فاطمہ بلخیہؒ جیسی نحدار سیدہ خاتون آپ کی مجلس میں شرکت

کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا کرتی تھیں کیونکہ دوران درس آپ کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ خوفِ خدا سے آنکھیں تھیں کہ ہمیشہ جھکی رہتی تھیں اور کبھی اُوپر نہ اُٹھتی تھیں۔ عورتوں سے اظہارِ بیزاری کا یہ انداز تھا کہ ایک بار خدا سے عورتوں سے بالکل بے نیاز ہو جانے کی دُعا مانگنے کا ارادہ کر لیا تھا اور پھر احترامِ رسالت کی وجہ سے اگرچہ دُعا تو نہیں مانگی لیکن قدرت نے اس قدر بے نیاز کر دیا تھا کہ خود فرماتے ہیں۔

"میرے سامنے خواہ کوئی عورت ہو یا دیوار دونوں برابر ہیں۔"

۲۱- بلاکشی و جفا طلبی

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو اکثر آزماتا رہتا ہے اور انہیں آزمائشوں اور ابتلاؤں میں مبتلا رکھتا ہے تاکہ وہ کھوٹ سے نکھر کر کندن بن جائیں اور اس طرح کی آزمائشوں سے اُن کے مدارج میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ تغیرِ احوال روحانی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ سکون اور ٹھیراؤ سے جس طرح پانی کھڑا کھڑا خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سلوک کی راہ میں بھی سکون و آرام آجائے تو مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔

حضرت بایزیدؒ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے دوستوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے کہ جو وہ آخرت میں اپنے دشمنوں کے ساتھ روا رکھتا ہے یعنی تکلیف و مصیبت، آزمائش و ابتلا اور بلا و عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جتنا کوئی خدا کو زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ اتنا ہی

وہ زیادہ آزمائش میں رہتا ہے۔ ؎

ہر کہ دریں مقرب تراست　　　جام بلا بیشترش مے دہند

حضرت بایزیدؒ نے خود دیگر مشائخ کی طرح اپنے مقام تک پہنچنے میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی تھیں، تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ اس سلسلے انہوں نے اتنے سخت مجاہدے کیے تھے کہ اُن کے تصور ہی سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تب کہیں جاکر کامیابی وکامرانی نے اُن کے قدم چومے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کا ارشاد ہے:۔

"میں نے تمام ہاتھوں سے حق کے دروازے کو پکڑا لیکن نہ کھلا آخر بلا کے ہاتھوں سے اسے پکڑا تو کھول دیا گیا"۔

(افضل الفوائد)

۲۲۔ غرورِ زہد اور پندارِ تعبّد

غرورِ زہد بُری بلا ہے یہ عبادت کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح دیمک لکڑی کو۔ شیطان اسی پندارِ تعبّد کی وجہ سے راندۂ بارگاہ قرار پایا حالانکہ زمین کے چپّے چپّے پر اس کے سجدوں کے نشان تھے اور ذرّہ ذرّہ اس کی عبادت کی گواہی دیتا تھا۔

؎ تکبّر عزازیل راخوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد　　　(سعدیؒ)

تصوّف اصحاب علم وعمل میں اسی غرور کو توڑ کر انکساری پیدا کرتا ہے اور عجز کو نمو دے کر عبدیت اور عبودیّت کی شان اُجاگر کرتا ہے

غرورِ زہد کے تباہ کُن اور ہلاکت آفریں اثرات کے بارے میں حضرت بایزیدؒ

کا یہ مشہور قول ہے:-
"گناہ سے توبہ ایک بار ہے اور طاعت سے توبہ ہزار بار ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء)
یعنی طاعت و عبادت میں تکبر گناہ سے بدتر ہے لہٰذا اس سے ایک بار نہیں بلکہ ہزار بار توبہ کرنی چاہئے۔

۲۳- فقر و ناداری

عبودیّت کی شان اسی میں ہے کہ انسان اپنی تمامتر عبادت، نیکیوں اور اعمال صالحہ کے باوجود یہ سمجھے کہ اس کے دامنِ اعمال میں کوئی بھی نیکی نہیں ہے اور یہی ناداری کا احساس، وہ بیش بہا خزانہ ہے کہ جو آخرت میں کام آسکتا ہے اور نجات اُخروی کا باعث بن سکتا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی فکر کو جمع کیا، اپنے دل کو حاضر کیا اور اپنے آپ کو رب العالمین کے حضور پیش کیا۔ ندا آئی:-

"اے بایزیدؒ! تم ہمارے پاس کیا لے کے آئے ہو؟" میں نے عرض کیا: بار آلہٰا! زہد فی الدنیا لایا ہوں"۔

ارشاد ہوا: "بایزید! دنیا کی قدر تو ہمارے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہے، اس میں تم نے زُہد کر لیا تو کیسا زہد کیا۔"

میں نے عرض کیا: "پالنے والے! میں اس حالت سے استغفار کرتا ہوں اور تمہاری بخشش کا خواہاں ہوں۔ میں تمہارے حضور توکل لایا ہوں۔"

آواز آئی: "اے بایزیدؒ! جس چیز کے ہم تمہارے لئے ضامن ہوئے، کیا ہم اس میں قابلِ بھروسہ نہیں ہیں کہ کہتے ہو میں نے توکل کیا۔"

میں نے عرض کیا: "خدایا! میں دونوں حالتوں سے مغفرت چاہتا ہوں، میں اگر کوئی چیز تیرے حضور لایا ہوں تو وہ یہ ہے کہ:

جئتُک بالافتقار الیک

ترجمہ: (تیرے حضور اپنی ناداری کے ساتھ حاضر ہُوا ہوں)

اس وقت ارشادِ قدرت ہُوا "اب ہم نے تمہیں قبول کیا" (روض الریاحین)

زندگی کے جب آخری ایام آئے اور رحلت کر جانے کا وقت قریب سے قریب تر ہُوا تو انہوں نے جو مناجات کی اس میں بھی فقر و ناداری کا تحفہ بارگاہ خداوندی میں پیش کیا۔ خواجہ عطارؒ کے الفاظ میں مناجات کا انداز یہ تھا۔

الٰہی ریاضت ہمہ عمر نمی فروشم و نماز ہمہ شب عرضہ نمی کنم و روزہ ہمہ عمر نمی گویم و ختمہائے قرآن نمی شمردم۔

ترجمہ: بار الٰہا! ساری عمر کی ریاضت کی سودابازی نہیں کرتا رات رات بھر کی نماز پیش نہیں کرتا۔ روزے جو زندگی بھر رکھتا رہا ان کا تذکرہ نہیں کرتا اور نہ ختمہائے قرآن گنواتا ہوں۔ آخر میں نہایت عاجزی کے ساتھ ایک ہی التجا کی۔

"گردِ معصیت را از من فرو شدی کہ من گردِ پندارِ طاعت فرو شستم"۔

پالنے والے! مجھ سے میرے گناہوں کی گرد دُور کر دے۔ کیونکہ میں نے بھی اپنے سے پندارِ طاعت کی گرد کو دھو ڈالا ہے"۔

۲۴- عجز و انکساری

زہد اختیار کرنے اور عبادت کرنے والوں میں بعض اوقات غرورِ زہد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی طاعت اور عبادت پر ناز کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس پندارِ طاعت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور جنّت کا اجارہ دار سمجھنے لگ جاتے ہیں اور باقی ساری دنیا کے لوگ ان کی

نگاہ میں ذلیل ہو جاتے ہیں حالانکہ غرورِ زہد سے بڑھ کر اور کوئی چیز ذلیل نہیں ہے۔ یہ کم ظرفی کی علامت ہے اور یہ اعمال کو اس طرح چٹ کر جاتی ہے کہ جس طرح دیمک لکڑی کو۔

معرفت اور انکساری کا چولی دامن کا ساتھ ہے جتنا کوئی معرفت میں بلند ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ زیادہ متواضع ہوتا ہے سچ ہے پھلوں سے لدا ہوا درخت ہی جھکا کرتا ہے۔ متکبر شخص کو تو معرفت کی ہوا تک بھی نہیں لگتی۔

حضرت بایزیدؒ کا ارشاد ہے:۔

"جو شخص متکبر ہو اسے معرفت کی بو تک نہیں پہنچتی، پوچھا گیا کہ متکبر شخص کی علامت کیا ہے؟ فرمایا کہ جو اٹھارہ ہزار عالم میں کسی کو اپنے سے کم تر اور ذلیل دیکھے۔" (رسالہ قشیریہ۔ تذکرۃ الاولیاء)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ سے دریافت کیا گیا: "انسان متواضع کب ہوتا ہے؟" ارشاد فرمایا: "جب وہ اپنے نفس کا کوئی حق نہ سمجھے کیونکہ وہ اس کی شرارت اور عیب سے واقف ہے اور وہ یہ نہ خیال کرے کہ مخلوق میں اس سے بدتر کوئی ہے۔" (عوارف المعارف)

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ بدبخت وہ شخص ہوتا ہے کہ جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ نیک بخت سمجھے اور بہترین آدمی وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ بدکار اور گنہگار سمجھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک دفعہ مدت تک بارش نہ ہوئی۔ لوگ نماز استسقا کے لئے صحرا میں گئے اور نماز ادا کی لیکن بارش پھر بھی نہ ہوئی۔ اس پر کچھ لوگ کہنے لگے کہ بُرے لوگوں کی شامتِ اعمال کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی۔

آپؒ نے سُنا تو فوراً باہر نکل کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے شہر چھوڑنے کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے۔

"سب لوگوں سے بُرا تو میں ہی ہوں، اس لئے اس جگہ سے چلا جاتا ہوں تاکہ میری شامتِ اعمال کی وجہ سے لوگ بارانِ رحمت سے تو محروم نہ رہیں۔" (نافع السالکین)

۲۵۔ صحبت و ہم نشینی

کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت بایزیدؒ کا ایک مرید سفر پر روانہ ہوا اور اس نے حضرت سے نصیحت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں تین باتوں کی نصیحت کرتا ہوں :-

(۱) اگر کسی بد اخلاق شخص سے مل بیٹھنے اور اکٹھے رہنے کا اتفاق ہو جائے تو تم اپنے اچھے اخلاق کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرو تاکہ تمہاری زندگی خوشگوار بن جائے۔

(۲) اگر کوئی شخص تم پر احسان کرے اور بھلائی سے پیش آئے تو پہلے خدا کا شکر ادا کرو کیونکہ اس نے ہی اس شخص کو تم پر مہربان کیا ہے اور پھر اس شخص کا بھی شکریہ ادا کر دو۔

(۳) اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ تو فوراً خدا کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہی مصیبتوں کو دُور کرنے اور مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہے

(طبقات الصوفیہ)

تاثیرِ صحبت کے بارے میں حضرت بایزیدؒ کا یہ مشہور قول ہے :-

"نیک آدمیوں کی صحبت، نیک کام سے بہتر ہے اور بُروں کی صحبت

بُرے کام سے بدتر ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

وجہ ظاہر ہے کہ نیک آدمیوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے سے نیکی کا جذبہ خود بخود پیدا ہو جائے گا اور اس طرح نیکی کی صفات پیدا ہوں گی تو وہ مستقل اور دیرپا ہوں گی جبکہ تنہا نیکی کرنے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ نیک عادات پختہ نہ ہو سکیں۔

۲۶۔ تصورِ زمان و مکاں

علامہ اقبالؒ زمان و مکان کے نظریہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:
ذاتِ الٰہیہ کے لئے کائنات کوئی مخصوص حادثہ نہیں اس کا ایک قبل اور ایک بعد ہو اور نہ کائنات اپنی ذات سے آپ قائم ہے کہ اس کا غیر ٹھہرے، ورنہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ خالق و مخلوق دو الگ الگ وجود ہیں اور دونوں مکان کی لامتناہی وسعتوں میں جس کی مثال گویا ایک ظرف کی ہے، ایک دوسرے کے بالمقابل پڑے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں۔ زمان و مکاں اور مادہ بجائے خود ذات الٰہیہ کی آزادانہ تخلیقی فعالیت کی وہ تعبیریں ہیں جو فکر نے اپنے رنگ میں کی ہیں، ان کا کوئی مستقل وجود نہیں کہ اپنے سہارے قائم رہ سکیں۔ وہ محض عقل کے تعینات ہیں جن کے ذریعے ہمیں حیاتِ الٰہیہ کا ادراک ہوتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ جب مشہور صوفی بزرگ حضرت بایزید بسطامیؒ کے حلقے میں تخلیق کا مسئلہ زیرِ بحث تھا تو ایک مرید نے ہمارے عام نقطہ نظر کی ترجمانی یہ کہتے ہوئے بڑی خوبی سے کی کہ ایک وقت وہ بھی تھا جب صرف خدا کا وجود تھا۔ اس کے سوا کچھ نہ تھا لیکن اس کے جواب میں شیخ کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ اور بھی زیادہ معنی خیز تھے

حضرت شیخ نے فرمایا "اور اب کیا ہے ..... ؟" اب بھی تو صرف

خدا ہی کا وجود ہے۔"

لہٰذا عالم مادیات کی یہ حیثیت نہیں کہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ شروع ہی سے موجود (قدیم) ہو اور جس پر گویا وہ اب دُور سے عمل کر رہا ہے۔ (تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ)

؎ خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زُنّاری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا اِلٰہ الا اللہ (اقبالؒ)

۲۷. فراستِ ایمانی و بصیرتِ نورانی

حضرت بایزیدؒ کو قدرت نے فراست ایمانی اور بصیرتِ نورانی کے بہرۂ وافر سے نوازا تھا۔ اس سلسلے میں علامہ ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو عمران موسیٰ بن عیسیٰ المعروف بہ عمّی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک بار حضرت بایزیدؒ نے اذان دی اور پھر جب اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی کہ جس کے اُوپر سفر کے اثرات مثلاً گرد و غبار وغیرہ تھے۔ پس آگے بڑھے اور اس سے کچھ بات کی۔ وہ شخص اٹھا اور فوراً مسجد سے باہر نکل گیا۔ حاضرین میں سے کسی نے اس سے وجہ دریافت کی تو اس شخص نے بتایا کہ میں سفر میں تھا اور وہاں مجھے پانی نہیں ملا تھا۔ اس لئے تیمم کر لیا تھا۔ اب مسجد میں داخل ہُوا تو مجھے پانی سے وضو کرنا یاد نہیں رہا تھا۔ پس حضرت بایزیدؒ نے مجھے چپکے سے بتایا کہ شہر اور آبادی میں تیمم جائز نہیں۔ چنانچہ مجھے وضو یاد آ گیا اس لئے مسجد سے باہر نکل آیا۔ (طبقات الصوفیہ)

ایک نافرمان خادم کا واقعہ کہ جو حضرت ابو تراب نخشبیؒ اور حضرت شفیق

بلخیؒ کے واقعات کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ جس میں اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا، وہ بھی آپ کی کرامت کے علاوہ آپ کی فراست سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ شخص دیانت دار نہیں لہٰذا کسی نہ کسی وقت پکڑا جائے گا اور اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا کہ ایک سال کے اندر اندر چوری کے جرم میں ماخوذ ہُوا اور اس پر حدِ سرقہ جاری کر دی گئی۔

۲۸۔ ناقص و کامل

ناقص اور کامل کی امتیازی علامت یہ ہوتی ہے کہ کامل شخص بلند بانگ دعوؤں سے باز رہتا ہے اور ناقص اپنی کم ظرفی کی وجہ سے بلا وجہ بڑے بڑے دعوے کرنے لگ جاتا ہے جس طرح گھڑے میں اگر پانی تھوڑا ہو تو وہ زیادہ اچھلتا ہے اور گھڑا بھرا ہُوا ہو تو پانی بالکل نہیں اچھلتا۔

اس سلسلے میں حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں:۔

"مُرید جب نعرے مارتا ہے اور آواز بلند کرتا ہے تو وہ پانی کے حوض کی مانند ہے اور جب وہ خاموش ہو تو وہ موتیوں سے بھرپور دریا ہوتا ہے۔"

مردِ کامل ہمیشہ دوسروں کی خوبیوں اور عظمت کا معترف ہوتا ہے اور کم ظرف لوگ دوسروں کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کی ٹانگیں کھینچ کر آگے بڑھنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

حضرت بایزیدؒ وسیع الظرف اور مردِ کامل تھے اور دوسروں کی برتری کے پہلوؤں کو اجاگر کیا کرتے تھے اور یہ آپ کی عظمت کی روشن دلیل ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ فرمایا

کرتے تھے کہ بلخ کے ایک نوجوان کے سوا مجھے کوئی ہرا نہیں سکا۔ ہُوا یوں کہ وہ نوجوان ہمارے پاس سفرِ حج کے دوران آیا تھا اور اس نے مجھ سے زہد کی تعریف پوچھی تھی اور میں نے اسے بتایا کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے کھا لیتے ہیں اور اگر نہ ملے تو صبر کر لیتے ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا: "یہ تو ہمارے ہاں بلخ کے کتے بھی کر لیتے ہیں، مل جائے تو کھا لیتے ہیں اور نہ ملے تو خاموش ہو رہتے ہیں"۔ یہ سن کر میں نے اس سے کہا: "آپ بتائیے آپ کے نزدیک زہد کیا ہے؟" اس نے جواب دیا: "جب ہمیں نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو ایثار کرتے ہیں اور دوسرے ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں۔"

(عوارف المعارف)

۲۹۔ صیانت و ہلاکت

ہر شخص کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے وجود کو محفوظ رکھے اور ہلاکت سے بچے۔ تحفظ اور ہلاکت کن چیزوں میں ہے، اس کا انکشاف حضرت بایزیدؒ نے اپنے اس قول میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

انسان کی ہلاکت دو چیزوں میں ہے:۔

۱۔ خلقِ خدا کی عزت و حرمت کا خیال نہ رکھنا۔

۲۔ خداوند تعالیٰ کے احسان کو نہ پہچاننا۔

گویا ہلاکت اور بربادی مخلوق کی بے حرمتی کرنے اور خالق کی ناشکر گذاری میں اور صیانت اور نجات احترامِ آدمیت اور شکرِ الٰہی میں ہے۔

۳۰۔ نظرِ کرم ــــ اسمِ اعظم

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک شوریدہ سر پھر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

"الٰہی! میری طرف نگاہ فرما، خدایا! میری طرف نظر کر۔"

حضرت بایزیدؒ نے اسے دیکھا اور اس نے یہ بات سنی تو فرمایا:

"پہلے عشقِ الٰہی اور غلبۂ محبّت سے اپنا سر اور چہرہ خوبصورت اور بھلا بنا لو تاکہ اس کی نظر تم پر پڑ سکے۔"

وہ شخص کہنے لگا:

"اے شیخِ بزرگوار! وہی نگاہِ کرم تو میں چاہتا ہوں کہ وہ ہو جائے تاکہ میرا سر اور چہرہ اچھا اور خوبصورت ہو جائے....."

حضرت بایزیدؒ نے اس کی یہ بات سُنی تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

"تم نے بالکل صحیح کہا اور بالکل درست فرمایا۔"

۳۱۔ حسنِ اخلاق و خدمتِ خلق

صوفیائے کرام نے چند باتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ ان میں سے حسنِ اخلاق اور خدمتِ خلق قابلِ ذکر ہیں۔ اخلاق سے پیش آنے اور خدمت کرنے میں صوفیاء کے ہاں اپنے اور غیر کی کوئی تفریق نہ تھی۔ اس سلسلے میں ان بزرگوں کا مسلک آفاقی تصوّر اور انسانیت کی بلند اقدار پر مبنی تھا اور ان کے سینے ہر طرح کے کینے سے صاف تھے۔ حضرت بایزیدؒ کے ایک شاگرد حضرت ابو حفصؒ کے الفاظ میں ان دلوں میں کینہ کیسے رہ سکتا ہے جو اللہ کے ساتھ مانوس اور محبت پر متفق و متحد اور اسی کے ذکر سے لذّت یاب ہوں۔ ایسے

قلوب ہمیشہ نفسانی خیالات اور طبائع کی تاریکیوں سے پاک ہوتے ہیں۔
(عوارف المعارف)

حضرت بایزیدؒ نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک بار جب ان کا ایک مرید آمادۂ سفر ہوا تو آپ نے جو نصیحتیں کیں، ان میں سے اوّلیت آپ نے حسنِ اخلاق کو دی اور فرمایا:-

"اگر کسی بد اخلاق سے بھی اکٹھے رہنے کا موقع ملے تو تم اچھے اخلاق سے پیش آنا۔"

حضرت بایزیدؒ کے اپنے حسنِ اخلاق کا نتیجہ تھا کہ لوگ کشاں کشاں آپ کی طرف چلے آتے تھے۔ مسلمان آکر اپنے گناہوں سے توبہ تائب ہوتے اور غیر مسلم آتے اور حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ ایک یہودی پڑوسی خاندان کے مسلمان ہونے کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کے اسلام لانے کا محرک آپ کا حسنِ اخلاق اور خدمتِ خلق کا جذبہ تھا۔

حضرت بایزیدؒ ولایت، بزرگی اور طریقت کے لئے خدمتِ خلق کا وصف ضروری قرار دیتے ہیں، چنانچہ ایک بار جب آپ کے سامنے ایک ایسے آدمی کا ذکر آیا کہ جو حقوق العباد کا خیال نہ رکھتا تھا، خدمتِ خلق سے پہلو بچاتا تھا مگر عارفِ کامل اور ولی ہونے کا جھوٹا دعویدار تھا تو ناراض ہو کر ارشاد فرمایا:

"ہر کہ قرآن نخواند و بجنازہ مسلمان حاضر نشود و بعبادت بیماراں نرود و یتیماں را نہ پرسد و دعوئی ایں حدیث کند، بدانید کہ مدعیست"۔ (تذکرۃ الاولیاء)

ترجمہ: وہ شخص کہ تلاوت قرآن نہیں کرتا مسلمان بھائیوں کے جنازوں میں شریک نہیں ہوتا (مسلم و غیر مسلم)، بیماروں کی عیادت کے لئے نہیں جاتا، یتیموں کی خبر گیری نہیں کرتا وہ کس منہ سے معرفت کی

یہ باتیں کرتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کیسا بڑا دعویٰ کر رہا ہے؟

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ولی وہ ہے اور معرفت کی باتیں اسے زیب دے سکتی ہیں کہ جو لوگوں کے حقوق کو کماحقہٗ ادا کرتا ہو، عمدہ اخلاق کا مالک ہو، ہمدرد ہو اور خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہو۔

حضرت بایزیدؒ نے ولی کی علامتیں بتاتے ہوئے بیان فرمایا ہے:

"خدا جس شخص کو دوست رکھتا ہے تو اسے تین خصلتوں اور خوبیوں سے نواز دیتا ہے"

۱۔ اسے دریا کی سخاوت کی طرح، سخاوت عطا کرتا ہے۔

۲۔ اسے سورج کی شفقت کی طرح شفقت بخشتا ہے۔
(کہ جو سب کو روشنی اور دھوپ بخشتا ہے)

۳۔ اور اسے زمین کی تواضع کی مانند تواضع سے نوازتا ہے۔
(کہ جو سب کے لئے بچھی رہتی ہے) (تذکرۃ الاولیاء)

۳۲۔ مسلمان کہلانا اور مسلمان بننا

مسلمان کہلانا بڑا آسان ہے لیکن بننا بہت مشکل ہے۔ اس سلسلے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ عطارؒ اور حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ نے حضرت بایزیدؒ کے حالات میں حکایت بیان کی ہے کہ ایک مجوسی حضرت بایزیدؒ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب حضرت بایزیدؒ کا انتقال ہوا تو اس مجوسی کو صدمہ ہوا کیونکہ وہ بھی عقیدت مند تھا۔ لوگوں نے اس مجوسی سے کہا۔

"تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟"

وہ کہنے لگا:۔

"کیسا مسلمان بنوں؟ اگر اسلام وہ ہے کہ جو حضرت بایزیدؒ رکھتے تھے تو افسوس مجھ سے وہ کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر اسلام یہ ہے کہ جو تم اختیار کئے ہوئے ہو تو ایسے اسلام کو دُور سے سلام، مجھے تو ایسی مسلمانی سے عار اور شرم آتی ہے!

(فوائد الفوائد۔ تذکرۃ الاولیا۔ نافع السالکین)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ سے لوگوں نے پوچھا: "آپ اس قدر سخت مجاہدے کیوں کرتے ہیں؟"

ارشاد فرمایا:۔

"یہ مجاہدے اس لئے کرتا ہوں کہ مجھے مسلمان سمجھتے ہیں جب مسلمان ہوں تو مسلمانی کا حق کیوں کر نہ بجا لاؤں"۔ (افضل الفو .)

۳۳۔ ظاہر و باطن

ظاہر و باطن کی دو رنگی شریعت اور طریقت دونوں میں حرام ہے۔ دین کا تقاضا یہی ہے کہ ظاہر و باطن ہمیشہ ایک ہونا چاہئے اور قول و فعل میں مطابقت ہونی چاہئے۔

حضرت بایزیدؒ کا ایک قول ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے اور وہ یہ ہے:

"یا چناں نمائی کہ ہستی یا چناں باش کہ می نمائی"۔

ترجمہ: یا تو وہی کچھ ظاہر کرو کہ جو در حقیقت تم ہو، یا ایسے صحیح معنوں میں بن جاؤ کہ جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔

؎ دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا — یا سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

۴۳۔ حسنِ عقیدت و حسنِ عمل

بزرگوں سے فیض اٹھانے کے لئے حسنِ عقیدت اور حسنِ عمل لازم و ملزوم ہیں۔ محض عقیدت کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ حسنِ عمل بھی ضرور ہونا چاہیئے یہ اہم نکتہ ہے کہ جسے اکثر مرید بھول جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر وہ روحانی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ بزرگوں سے محبت و عقیدت کا اظہار تو کیا جائے لیکن ان کے کہنے پر نہ چلا جائے اور اُن کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کے باوجود یہ سمجھا جائے کہ ہم بزرگوں کے سچے عقیدت مند اور فدائی ہیں۔

افسوس راقم الحروف کی عمل کے میدان میں اپنی حالت ناگفتہ بہ ہے اس لئے میری یہ باتیں شاید ہی پوری طرح مؤثر ثابت ہو سکیں۔ اس موقع پر مجھے عارف بوصیری کا یہ شعر بار بار یاد آ رہا ہے جو انھوں نے اپنے مشہور قصیدہ بردہ شریف میں کہا ہے۔

؎ اَمَرْتُكَ الْخَيْرَ لٰكِنْ مَّا ائْتَمَرْتُ بِهٖ
وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِيْ لَكَ اسْتَقِمِ

ترجمہ:۔ میں نے (واعظ بن کر) تجھے نیکی کے لئے کہا لیکن خود میں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ جب میں خود ٹھیک نہیں ہوں، تو میرا تجھے یہ کہنا کہ تو ٹھیک ہو جا، چنداں سود مند نہیں ہے۔

بہر حال اس احساس کے پیشِ نظر کہ نیکی نہ کرنا ایک برائی ہے۔ اور دوسروں کو نیکی کی تلقین نہ کرنا دو برائیاں ہیں، کچھ نیکی کی باتیں کہنے کی جرأت کر لیا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بزرگوں کی محبت کے صدقے میں عمل

کی توفیق سے بھی نوازیں گے ؎

احبُّ الصالحینَ ولستُ منھم
لعلّ اللّٰہ یرزقنی صلاحاً

ترجمہ: میں سلف صالحین سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ ان جیسے نیک اعمال سے تہی داماں ہوں پھر بھی اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ مجھ پر اصلاح احوال کی توفیق ارزانی کرے گا۔

حضرت بایزیدؒ کی مقدس زندگی ہمیں سبق دیتی ہے کہ عقیدت کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ برکت محض تبرک میں نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ عمل ہی میں ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں تذکرۃ الاولیاء میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حضرت بایزیدؒ کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ ایک جوان پیچھے پیچھے چل رہا تھا، حضرت کے قدموں کے نشانات پر اپنے قدم رکھتا اور کہتا جاتا۔

"بزرگوں کے نقش قدم پر یوں چلا جاتا ہے"۔

حضرتؒ پوستین پہنے ہوئے تھے۔ وہ شخص کہنے لگا:

"پیر و مرشد! اس پوستین سے ہمیں بھی ایک ٹکڑا عطا ہو جائے تاکہ آپ کی برکت اور فیض ہمیں میسر آجائے"۔

حضرت بایزیدؒ نے یہ بات سنی تو فرمایا:۔

"اگر تو پوستِ بایزید در خود کشی سود ت ندارد تا عمل بایزید نکنی"۔

ترجمہ:۔ اگر تم بایزیدؒ کی کھال بھی پہن لو، تو جب تک تم بایزیدؒ جیسے کام نہیں کرتے، یہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہمیں بزرگوں سے عقیدت کے ساتھ ساتھ صحیح طور

پر اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

○